



شریعت کے تین جزو

شریعت کے تین جزو ہیں علم و عمل اور اخلاص۔ جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت حاصل ہو گئی تو گویا حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو گئی جو دنیا و آخرت کی ساری سعادتوں سے بڑھ کر ہے اور اللہ کی خوشنودی کا مقام سب سے بلند ہے پس شریعت دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے اور کوئی مطلب ایسا باقی نہیں ہے جس کے حاصل کرنے کے لیے شریعت کے سوا کسی اور چیز کی حاجت پڑے۔

طریقت اور حقیقت جن سے صوفیاء ممتاز ہیں تیسری جزو یعنی اخلاص کے کامل کرنے میں شریعت کی خادم ہیں ان دونوں کی تکمیل سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے نہ کوئی اور امر شریعت کے سوا احوال و مواجید اور علوم و معارف جو صوفیاء کو اثناء راہ میں حاصل ہوتے ہیں وہ اصل مقصود نہیں ہیں بلکہ اوہام ہیں اور خیالات ہیں جن سے طریقت کے اطفال کی تربیت کی جاتی ہے۔

(حضرت مجدد الف ثانی رح از مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۳۶)

۳۰ مئی ۱۹۷۵ء

۶۰ پیسے

احادیثُ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی و دشمنی

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَبِیْ ذَرٍّ یَا اَبَا ذَرٍّ اَیُّ عُرَی الْاِیْمَانِ اَوْثَقُ قَالَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ اَلْمُوَالَاۃُ فِی اللّٰہِ وَالْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذرؓ سے فرمایا۔ ایمان کی کون سی کڑی زیادہ مضبوط ہے۔ ابوذرؓ نے جواب دیا۔ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) خوب جانتے ہیں۔ فرمایا اللہ کے لیے باہم ایک دوسرے کی مدد کرنا، اللہ ہی کی خاطر دوستی کرنا اور اللہ ہی کی خاطر دشمنی کرنا۔
(مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الآداب)

عُرٰی، عُرْوَۃ کی جمع ہے۔ عروہ اس کڑی یا کنڈے کو کہتے ہیں جسے پکڑ کر انسان آسانی کے ساتھ کسی بڑی چیز سے لٹک جائے۔

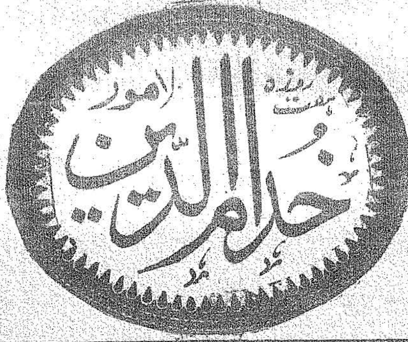
اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ ایمان کی بہت سی کڑیاں اور کنڈے ہیں۔ ان میں سے کسی کو آدمی ہاتھ سے پکڑ لے تو وہ گویا ایمان کے ساتھ وابستہ ہو گیا۔ خدانخواستہ اب وہ ایمان سے جبھی جدا ہوگا جب یہ کڑی ہاتھ سے چھوٹ جائے گی یا ٹوٹ کر گر جائے گی۔

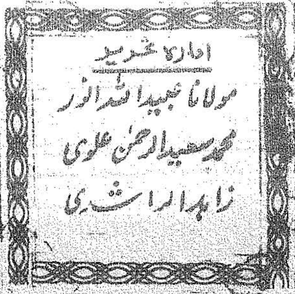
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات کسی کو بتانا چاہتے تو پہلے اس سے پوچھتے کہ کیا وہ اس کی بابت کچھ جانتا ہے۔ اس سے یہ مقصود ہوتا تھا کہ اس کی توجہ پوری اس بات کی طرف ہو جائے اور جب بات وہ بتائی جائے تو اس کے ذہن میں خوب بیٹھ جائے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جان نثار صحابی تھے۔ وہ ان چند صحابہؓ میں سے ہیں جو اسلام کے اولین دور میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ ایمان کی کون سی کڑی زیادہ مضبوط ہے جس کو پکڑ کر انسان پورے بھروسے اور وثوق کے ساتھ اس سے وابستہ رہ سکتا ہے۔ وہ جواب سننے کے لیے ہمہ تن تیار ہو گئے۔ اور عرض کیا۔ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو خوب علم ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ایمان کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لیے سب سے مضبوط کڑی جسے پکڑنا چاہیے یہ ہے کہ انسان اللہ کے لیے ایک دوسرے کی مدد کرے، اللہ ہی کے لیے دوستی کرے اور اللہ ہی کے لیے دشمنی کرے۔ یعنی آدمیوں کے باہمی تعلقات کی بنیاد کسی ذاتی غرض اور نفع و نقصان وغیرہ پر نہ ہونی چاہیے۔ جو بھی تعلق ہو وہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہو۔ باہم مدد ہو تو اللہ کے لیے، دوستی ہو تو اللہ کے لیے اور نفرت ہو تو اللہ کے لیے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ پکا ایماندار وہ ہے جو دوسروں سے محض اللہ کے لیے تعلق رکھتا ہو کوئی ذاتی غرض اس میں نہ ہو۔







جلد ۲۱ * شمارہ ۱ | ۱۸ جمادی الاوّل ۱۳۹۵ھ * ۳۰ مئی ۱۹۷۵ء | قیمت ۶۰ پیسے

ہمارے تعلیمی ادارے

مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب مقدس میں تخلیقِ آدم کا قصہ غور سے پڑھیں۔ تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو دنیا میں اپنا نائب و خلیفہ بنا کر بھیجا اور نیابت و خلافت کے فرائض احسن طریق سے سرانجام دینے کی غرض سے علیم و خبیر پروردگار عالم نے اپنی عظیم ترین صفت علم سے بہرہ وافر عطا فرمایا۔ اور اسی احسان کے ذریعہ حضرت انسان کی فرشتوں پر برتری کا اظہار ہوا۔

اس کے بعد بھی ہمیشہ "علم" کو انسانی معاشرہ میں خاص اہمیت حاصل رہی اور ہر قوم نے اپنی مخصوص روایات کے مطابق اس سلسلہ میں روایتی کردار ادا کیا سیدنا خلیل و ذبیح علیہما السلام کی دعائیں جو بناء کعبہ کے ساتھ ہی کی گئیں ان میں ایک "نبی اعظم" کی کی بعثت کی دعا شامل ہے اور اس "نبی مکرم" کو جن امتیازی خصوصیات کا مالک ہونا چاہیے ان کو بھی بصورت دعا ذکر کیا گیا ہے۔

ان خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ "معلم" ہو چنانچہ اب اللہ تعالیٰ نے بطور احسان خاص حضور علیہ السلام کی بعثت کا تذکرہ فرمایا تو آپ کی انہی خصوصیات کا بالخصوص ذکر کیا جو دعائے ابراہیمی میں موجود تھیں اور پھر نبی علیہ السلام نے اپنی ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں اس چیز کو خاص اہمیت بھی دی۔

مکہ مکرمہ کی پُرآشوب زندگی میں "دار ارقم" ایک تعلیم گاہ کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ اور مدینہ طیبہ جانے کے بعد آپ نے جب مسجد کی بنا رکھی تو اس کے ساتھ ایک "چبوترہ" کا بھی انتظام کیا تاکہ بیرونجات کے طلبہ بھی اس نعمت سے سرفراز ہو سکیں۔ اور ہر موڑ و مرحلہ پر "علمی ترقی" کو اہمیت دی۔ چنانچہ بدر کے وہ قیدی جو فدیہ دینے کی پوزیشن میں نہ تھے انہیں مدینہ کی مسلم آبادی کے دس دس بچوں کو لکھانے پڑھانے کا فرض سونپا اور فرمایا یہی تمہارا فدیہ ہے۔

اس کے بعد بھی ہر دَور میں مسلم معاشرہ نے اس اہم ترین فرض کو خاص اہمیت دی۔ کیونکہ ان کے سامنے اپنے پیغمبر کے یہ ارشادات تھے کہ

"بقدرِ ضرورت علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر

فرض ہے!

یعنی یہ کہ مہد سے لحد تک علم حاصل کرو۔ اور علم حاصل کرو اگرچہ تمہیں چین جیسے دور دراز ملک کا سفر کرنا پڑے۔

(یاد رہے کہ چین کا تذکرہ محض اس کی مسافت کی وجہ سے تھا۔ مادر پدر آزاد دانش ور جو کچھ مراد لیتے ہیں وہ غلط ہے)

خود برصغیر جو پہلی صدی میں ہی اسلامی عقائد و نظریات سے روشناس ہو چکا تھا کے مسلمانوں اور بالخصوص ارباب اقتدار نے اپنی ہزار کوتاہیوں کے باوجود علمی اعتبار سے اپنے فرائض پورے کئے اور لاتعداد صاحب ثروت حضرات نے معقول اوقاف قائم کر دیے تاکہ علمی میدان میں اخراجات کا مسئلہ رکاوٹ نہ بن سکے۔

علمی اعتبار سے برصغیر کی کیا کیفیت تھی اس پر زیر نظر مقالہ میں کچھ لکھنا مشکل ہے۔ البتہ ہم میجر باسو کی تاریخ التعلیم کی طرف اپنے قارئین کو توجہ دلاتے ہیں تاکہ وہ اسے دیکھ کر اپنے اسلاف اور بزرگوں کی علم سے دلچسپی کا اندازہ لگا سکیں۔

لیکن جب ہمارے یہاں انگریزی اقتدار کمپنی کی صورت میں اپنی منحوس پرچھائیں ڈال رہا تھا تو شاطر انگریز ہمارے "تاریک" لیکن اپنے بہتر مستقبل کے لیے تعلیمی میدان میں اصلاحات کا ڈھونگ رچا رہا تھا۔ اس نے اپنی مخصوص ضروریات کے مطابق ہماری قومی اور ملی روایات کے علی الرغم اپنا من پسند نظام تعلیم مسلط کر دیا اور مقابلہ میں اٹھنے والی ہر تحریک کو قوت سے کچل دیا۔ جس کے نتیجہ میں جہاں علماء کے سربریدہ نعشے طول طویل سڑکوں کے درختوں پہ لٹکائے گئے۔ وہاں مدارس و مکاتب اور مساجد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی یا پھر انہیں گرجاؤں اور اصطبلوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

بدقسمتی سے مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنے مستقبل کی بہتری اسی میں سمجھتا تھا کہ انگریز کے رنگ میں پوری قوم رنگ جائے اور اپنی مخصوص روایات کو چھوڑ دے۔ اس پہ علماء نے اختلاف کیا تو انتہائی بھونڈے انداز سے ارباب علی گڑھ نے علماء پر قوم دشمنی کا الزام لگایا اور کہا کہ یہ لوگ قومی ترقی کے دشمن ہیں یہ نہیں چاہتے کہ قوم جدید علوم حاصل کر کے امتیازی مقام حاصل کرے۔

حالانکہ جہاں تک جدید علوم وغیرہ کا سوال تھا اس سلسلہ میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے والے ہمارے بزرگ رہنما شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے جواز کا فتویٰ دیا تھا کہ جدید علوم حاصل کرو اور ان کے بعد متعدد علماء نے اس سلسلے میں فتوے دیے، تحریریں لکھیں اور مضامین شائع کرائے۔ خود حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ جو سرسید کے فکر کے برخلاف صحیح اسلامی فکر کے ترجمان تھے۔ سرسید سے خط و کتابت میں یہ واضح کیا کہ آپ جو سمجھے ہیں وہ غلط ہے مقصد صرف یہ ہے کہ دینی روایات کا جنازہ نہ نکلے اور مسلمان محض "بابو" بن کر نہ رہ جائے۔

لیکن سرکار برطانیہ کے دربار میں امتیازی شان سے بیٹھنے والے مصلحین قوم جنہیں اپنی عظیم تر خدمات کے سلسلہ میں مختلف قسم کے خطابات اور جاگیریں مل چکی تھیں کہاں ماننے والے تھے؟ انہوں نے علماء پہ برسنا اور الزام لگانا اپنا وطیرہ بنا لیا۔ لیکن حقائق کو نہ سمجھا۔ ان کی اس کورباطنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ نسل نو مذہب سے دور ہوتی چلی گئی۔ علماء سے رابطہ یا تو منقطع ہو گیا یا اس میں کمزوری آ گئی اور اسلامی و شرقی تہذیب کی روایات کا جنازہ نکل چکا۔ سید طفیل احمد علیگ، علامہ اقبال، اکبر الہ آبادی اور مولانا محمد علی جوہر جیسے چند حضرات نے اس صورت حال کو بھانپا، شور مچایا، لیکن نقار خانے میں طوطی کی کون سنتا تھا قوم اسی ڈگر پہ چلتی رہی جس پر سرسید اور ان کے رفقاء چلا گئے تھے۔ ان حالات کا جو نتیجہ ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔ اور شاہین صفت قوم کے نوجوان اغیار کی

خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بن گئے ۔ اس کشاکش میں ملک کو آزادی نصیب ہوئی ۔ اور عظیم برصغیر پاک و بھارت دو حصوں میں بٹ گیا ۔

پاکستان جس کی خاطر " کلمۂ طیبہ " کو بنیاد ٹھہرایا گیا تھا معرضِ وجود میں آ گیا لیکن یہاں کی بالادست قوتوں نے کبھی بھی اپنی ملی ذمہ داریوں کو پورا نہ کیا اور مجھے یہ کہتے ہیں باک نہیں کہ پاکستان کا کوئی ایک بھی سربراہ ایسا نہیں جسے اس کلیہ سے مستثنیٰ کیا جا سکے ۔ ملک کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد جہاں دوسرے شعبہ ہائے حیات میں بنیادی اور دوررس تبدیلیوں کی شدید ضرورت تھی وہاں تعلیمی شعبہ میں بالخصوص اپنی ملی و قومی روایات کی روشنی میں ہمہ گیر تبدیلی ازبس ضروری تھی لیکن ایسا نہ کیا گیا اور لارڈ میکالے کی بدباطنی کا شاہکار نظامِ تعلیم اسی طرح جاری و قائم رکھا گیا ہے ۔ اس کا نتیجہ آج جن صورتوں میں سامنے آ رہا ہے اس سے ہر کوئی آگاہ ہے ۔

روزانہ اخبارات کی سرخیاں اس قسم کی وحشت اثر خبریں اپنے جلو میں لیے منصۂ شہود پر آتی ہیں جن سے تعلیم گاہوں میں فائرنگ ، قتل و غارت ، وسیع پیمانے پر اسلحہ کی نمائش اور عصمت و عفت دری کے حیا سوز مناظر کا پتہ چلتا ہے ۔

دکھ تو یہ ہے کہ ارباب حل و عقد ہر دور میں ان برائیوں اور خرابیوں کا اعتراف کرتے رہے اور ملک پر ٹوٹنے والی بڑی سے بڑی قیامت کا سبب " تعلیمی بے راہروی " بتلاتے رہے لیکن آج تک اس کا علاج کسی نے نہ کیا ۔ " مرحوم مشرقی پاکستان " میں جو کچھ ہوا اور آج سندھ میں ملکی سالمیت کے خلاف جو کچھ ہو رہا ہے کیا واقعہ نہیں ہے کہ اس کے اصل مراکز ہمارے تعلیمی ادارے ہیں ؟

آخر یہ صورتِ حال کب تک جاری رہے گی کہ طلبہ بغیر پڑھے ڈگریوں کے متلاشی رہیں ، ان کے ہاتھ اساتذہ کے گریبانوں تک اٹھتے رہیں اور اپنے ہی تعلیمی اداروں کی وسیع و بلند عمارتیں ملبہ کا ڈھیر بناتے رہیں اور قتل و غارت کے آئے دن ڈرامے رچاتے رہیں ۔

اور کب تک مخلوط تعلیمی نظام میں بدبخت اساتذہ اپنی " بچیوں " کی عصمت سے کھیلتے رہیں گے (جیسا کہ حال ہی میں لاہور میں ہوا) اور آبگینہائے عصمت چکنا چور ہوتے رہیں گے ؟

یاد رکھیں ، اس نظامِ تعلیم کی موجودگی میں اس سے کہیں بڑھ کر حادثات کے لیے آپ تیار رہیں ٹیڑھی بنیاد پر وسیع و عریض عمارت کا خواب دیکھنا احمقانہ جسارت ہے ۔

اصل ضرورت قطب زماں مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے الفاظ میں یہ ہے کہ " اس سارے نظامِ تعلیم کو دفن کر کے نئی دنیا بسائی جائے ! "

یہ بات مولانا نے جب فرمائی تھی جب ارباب علی گڑھ نے آپ سے مل کر مدرسۃ العلوم سنبھالنے یا مخالفت ترک کرنے کا کہا تھا ۔

لہٰذا ضروری ہے کہ حزبی و سیاسی اختلافات کو بھلا کر قومی سطح پر اس صورتِ حال کا مقابلہ کیا جائے اور سیدھے سادے فطرتی نظامِ تعلیم کا فی الفور انتظام کیا جائے ۔

بصورت دیگر کسی بھلائی اور بہتری کی توقع نہ رکھیں بلکہ اس کا انتظار کریں کہ نام نہاد تعلیم گاہیں انسانی خون و آبرو کے خلاف سازشوں کے سب سے بڑے اڈے بن جائیں بلکہ ایسا ہو چکا ہے اور اب ضرورت اس کے لیے مؤثر انسدادی تدابیر کی ہے اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ مکہ و مدینہ زادھما شرفاً و کرماً کے " معلم اکبر و اعظم " کے مثالی نظامِ تعلیم و تربیت کو فی الفور اپنا لیا جائے ۔

یہی امن و سلامتی کی راہ ہے اور یہ ایسی راہ ہے جس کا اعتراف " جارج برناڈ شا " جیسے دشمنوں کو بھی ہے :-

" ایسے حالات میں اس متبرک ہستی کے اصول دنیا کا واحد آسرا ہیں ۔ جن سے دنیا کی دوزخ کے شعلے گلشنِ انسانیت کے لیے امن و اطمینان کا موجب بن سکتے ہیں ۔ "

شذرات

ٹریفک کے حادثات

ہر روز اس قسم کی اندوہناک خبریں سامنے آتی ہیں کہ بس ٹرک سے ٹکرا گئی، درخت سے ٹکرا گئی، گہرے کھڈ میں گر گئی، اتنے مر گئے، اتنے زخمی ہو گئے۔ وغیر ذلک۔

جب اس قسم کی خبر سامنے آتی ہے متعلقہ صوبے کے "چودھری" رسمی اعلان فرماتے ہیں، تحقیقات کے لیے اعلان ہوتا ہے، معاوضہ کا اعلان کر کے مرنے والوں کے ورثا کے زخموں پر نمک پاشی ہوتی ہے اور آئندہ کے لیے دھمکی سے بھرپور تنبیہات سامنے آتی ہیں لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ دوسرے معاملات کی طرح سفر کے معاملہ میں بھی توسط و اعتدال کی فطری راہ سے انحراف و بغاوت ہے۔

سیدھی بات یہ ہے کہ بس ڈرائیوروں کا جذبۂ مسابقت، کمیشن وغیرہ کے لالچ کے لیے اوور لوڈنگ، بسوں میں ریکارڈنگ وغیرہ کی لعنت اور مختلف النوع منشیات کا استعمال بنیادی اسباب ہیں۔

ان چیزوں کا سدِباب ٹریفک پولیس کر سکتی ہے لیکن وہ "آنا کہ خود گمراہ است کرا رہبری کند" کا مصداق ہے۔ پچھلے چند ماہ سے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس نے دیواریں سیاہ کر ڈالیں اور شاعری کے عجیب و غریب تجربے ہوئے لیکن ظاہر ہے کہ شاعری مسائل کا حل نہیں۔ اس سے جو فائدہ ہوا وہ ایک ہی ہے کہ ٹریفک پولیس کے اہلکاروں کو کھانے پینے کا ایک اچھا اور معقول طریق حاصل ہو گیا اور بس۔ لیکن اس سے اور کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ اس دور سے پہلے اور بعد کے اخبارات کا اگر جائزہ لیا جائے تو بعد میں حادثات زیادہ نظر آئیں گے۔

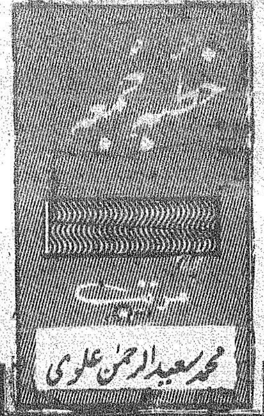
اصل بات یہ ہے کہ عام طور پر بس مالکان وہ ہیں جنہیں "حادثات" نے مالکان بنا دیا ہے۔ چڑھتے سورج کی پوجا، ارباب اقتدار کی جائز و ناجائز خواہشات کی تکمیل کرنے والے خود غرض اور آوارہ منش لوگ عام طور پر روٹ حاصل کر لیتے ہیں اور دھن دھونس دھاندلی سے سرمایہ مہیا کر کے بسیں حاصل کرتے ہیں پھر جیسی روح ویسے فرشتے کے مصداق اسی قسم کا کرپٹ عملہ مہیا کیا جاتا ہے جو اعلیٰ انسانی اقدار سے بالعموم عاری ہوتا ہے (الا ماشاء اللہ) یہ لوگ اخلاقی بے راہروی کا شکار ہوتے ہیں۔ سامنے کے شیشہ سے بیگانی بہو بیٹیوں کو تاکتے رہتے ہیں اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ہم بھی بچیوں والے ہیں پھر وہ منشیات کے عادی ہوتے ہیں، ریڈیو، ریکارڈنگ کی لعنت مستزاد ہوتی ہے اور پولیس والے خود بھی سفر کی مراعات حاصل کرتے ہیں۔ اپنے ملنے جلنے والوں کے لیے بھی ایسی رعائتیں حاصل کرتے ہیں اور ایسی رعایت کی ضرورت ہو تو "ہائے پانی" کا مسئلہ

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

کے

- توسیع اشاعت کے لیے ہر شہر و قصبہ میں مخلص اور دیانتدار ایجنٹوں کی ضرورت ہے کمیشن ۲۵ فی صدی۔
- ایک ماہ کے مطلوبہ پرچوں کی قیمت پیشگی آنا ضروری ہے۔
- موجودہ اور سابقہ ایجنٹ حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اپنے واجبات کی فوراً ادائیگی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔
- پرچہ نہ ملنے کی اطلاع فوراً دیں۔ شکایات و خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں بصورت دیگر عدم تعمیل کی شکایت بے جا ہو گی۔
- جواب طلب امور کے لیے واپسی کارڈ یا لفافہ ضرور بھیجیں۔
- جملہ رقوم بنام منیجر ہفت روزہ خدام الدین لاہور ارسال کی جائیں۔ ادارہ کے کسی کارکن کے نام پر ادارہ کی کوئی رقم نہ بھیجی جائے۔
- بنکنگ کی ضروریات چیک ڈرافٹ وغیرہ کے لیے نیشنل بنک آف پاکستان بادامی باغ لاہور۔ نوٹ فرمالیں۔

(منیجر خدام الدین لاہور)



اسلام زور و قوّت سے نہیں بلکہ

دعوت و تبلیغ سے پھیلا ہے

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

بعد از خطبہ مسنونہ:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ

یہ آیت کریمہ سورہ نحل کے سولھویں رکوع کی ہے اس میں اللہ تعالٰے نے جناب نبی کریم علیہ السلام کو بظاہر خطاب فرمایا لیکن درحقیقت ہر داعی الی الحق کو خطاب ہے۔ اور اس میں دعوت کا طریق سکھلایا گیا ہے۔

جہاں تک اللہ تعالٰے اور اس کے قانون حق کی طرف لوگوں کو بلانے اور دعوت دینے کا تعلق ہے یقیناً یہ ایک بہت بڑا کام ہے اور غالباً اس سے زیادہ اہم کام اور کوئی نہیں لیکن دعوت کے لیے کچھ خدائی اصول و ضوابط ہیں اگر ان اصول و ضوابط کی پابندی کی جائے تو یہ دعوت یقیناً بہتر نتائج پیدا کرے گی ورنہ نفع کی بجائے نقصان یقینی ہے بقول حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رح یہ بھی ممکن ہے کہ اصول دعوت سے ناواقف انسان جب یہ دھندا شروع کر دے تو کوئی بعید نہیں کہ اصلاح کا سارا نظام ہی مختل ہو جائے۔

اور وجہ ظاہر ہے جب ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ "لکل فن رجال" اور "ہر کسے را بہر کارے ساختند" تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس دعوت الی الخیر کے عظیم ترین کام کے لیے رجال و افراد کی منتخب جماعت نہ ہو۔

اس مقصد کے لیے حقیقی اہل وہی جماعت ہو سکتی ہے جو انہی ضابطوں کی پابند ہو اور ان کی روشنی میں یہ کام کرے۔ آیت محولہ کا ترجمہ ہے:-

"بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر بھلی طرح اور الزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو۔"

گویا دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے تین باتیں ارشاد فرمائیں۔ حکمت، موعظۃ حسنۃ اور جدال بالتی ھی احسن۔ ان تینوں جملوں کے متعلق حضرت مولانا عثمانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"حکمت سے مراد یہ ہے کہ نہایت پختہ اور اٹل مضامین، مضبوط دلائل و براہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے پیش کیے جائیں جن کو سن کر فہم و ادراک اور علمی ذوق رکھنے والا طبقہ گردن جھکا سکے، دنیا کے خیالی فلسفے ان کے سامنے ماند پڑ جائیں اور کسی قسم کی علمی و دماغی ترقیات وحی الٰہی کے بیان کردہ حقائق کا ایک شوشہ تبدیل نہ کر سکیں۔

"موعظۃ حسنۃ" مؤثر اور رقت انگیز نصیحتوں سے عبارت ہے جن میں نرم خوئی اور دلسوزی کی روح بھری ہو، اخلاص، ہمدردی اور شفقت و حسن اخلاق سے خوبصورت و معتدل پیرایہ میں جو نصیحت کی جاتی ہے

بسا اوقات پتھر کے دل بھی موم ہو جاتے ہیں، مُردوں میں جانیں پڑ جاتی ہیں۔ ایک مایوس و پژمردہ قوم پھر جھرجھری لے کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ لوگ ترغیب و ترہیب کے مضامین سن کر منزلِ مقصود کی طرف بے محابا دوڑنے لگتے ہیں۔ اور بالخصوص جو زیادہ عالی دماغ اور ذکی و فہیم نہیں ہوتے مگر طلبِ حق کی چنگاری سینے میں رکھتے ہیں، ان میں مؤثر وعظ و پند سے عمل کی ایسی اسٹیم بھری جا سکتی ہے جو بڑی اونچی اور عالمانہ تحقیق کے ذریعہ ممکن نہیں۔

ہاں دنیا میں ہمیشہ سے ایک ایسی جماعت بھی موجود رہی ہے جس کا کام ہر چیز میں الجھنا اور بات بات میں حجتیں نکالنا اور کج بحثی کرنا ہے۔ یہ لوگ نہ حکمت کی باتیں قبول کرتے ہیں نہ وعظ و نصیحت سنتے ہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں بحث و مناظرہ کا بازار گرم ہو۔ بعض اوقات اہلِ فہم و انصاف اور طالبینِ حق کو بھی شبہات گھیر لیتے ہیں اور بدون بحث کے تسلی نہیں ہوتی اس لیے وجادلہم بالتی ہی احسن فرمایا کہ اگر ایسا موقع پیش آئے تو بہترین طریقہ سے تہذیب، شائستگی، حق شناسی اور انصاف کے ساتھ بحث کرو۔ اپنے حریف مقابل کو الزام دو تو بہترین اسلوب سے دو خواہی نخواہی دل آزار اور جگر خراش باتیں مت کرو۔ جن سے قضیہ بڑھے اور معاملہ طول کھینچے۔ مقصود تفہیم اور احقاقِ حق ہونا چاہیے۔ خشونت، بداخلاقی، سخن پروری اور ہٹ دھرمی سے کچھ نتیجہ نہیں"۔

حضرت مولانا مرحوم کا یہ طویل اقتباس اپنی جامعیت کے اعتبار سے بالکل واضح ہے اور آپ نے دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں خدا کی ارشاد فرمودہ تین اصطلاحوں کی بڑی خوبی سے تشریح فرما دی۔

جہاں تک اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کا تعلق ہے۔ ہرچند کہ مخالفین نے ہر دور میں اس بات کو دہرایا کہ اسلام دنیا میں زور و قوت سے پھیلا ہے اور آج کے دورِ مکر و فریب میں تو یہ الزام اس کثرت سے دہرایا گیا کہ شیطان بھی چکرا کر رہ گیا لیکن حقیقت تو بہرحال حقیقت ہے اور وہ یہ کہ اسلام ایک دعوتی اور تبلیغی دین ہے اور اس نے جہاں بھی اور جس وقت بھی کسی کو اپنی طرف متوجہ کیا اسی اسلحہ سے کام لیا۔

خود جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ معظمہ کی ۱۳ سالہ پُرآشوب اور پُرخطر زندگی میں دعوت و تبلیغ کا ہی انداز اختیار فرمایا اور یہ کام اس خوش اسلوبی سے ہوتا تھا کہ کئی دفعہ تو بڑے بڑوں کا پتہ پانی ہو جایا کرتا تھا اور وہ محمد عربی علیہ السلام کی زبانی کلام الٰہی سن کر گہری سوچ کا شکار ہو جایا کرتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ازلی بدبختوں کا ٹولہ روایتی ہٹ دھرمی، تعصب اور کینہ پن کی وجہ سے پھر بھی حق کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اور مکہ مکرمہ کے بعد جنگ و قتال کی جو اجازت ہوئی اس میں بھی کچھ عظیم ترین مصالح تھیں۔ رہ گئی یہ بات کہ اس کا مقصد دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا اور لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا تھا یہ بالکل غلط ہے۔ اسلام کا بدترین سے بدترین دشمن بھی واقعاتی اعتبار سے آج تک ایک شہادت مہیا نہیں کر سکا۔ کہ فلاں شخص یا فلاں قوم و قبیلہ کو بزور داخلِ اسلام کیا گیا ہو۔ بلکہ تاریخی شہادتیں تو یہ ہیں کہ زور و قوت کو ہمیشہ اسلام کے خلاف استعمال کیا گیا۔ لیکن "نامِ حق کی لذت جنہیں حاصل ہو گئی انہوں نے آلام و مصائب کی چکی میں پس جانا تو منظور کر لیا پر دین و ایمان سے منہ نہیں موڑا۔ باقی تاریخی شہادتوں کو تو چھوڑیں اگر صرف برصغیر کا ہی جائزہ لیں تو آپ کو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اسلام زور سے نہیں بلکہ دلائل و براہین کی قوت داعیانِ حق کی

جاں سوزی و جاں بازی اور محنت و جہد کے نتیجہ میں پھیلتا رہا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ خواجہ اجمیری قدس سرہٗ اجمیر میں اور حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں دعوت کا کام کرتے ہیں بالادست طاقتیں اسلام کے خلاف ہیں۔ مکر و زور اور ترغیب و تخویف کے روایتی ہتھکنڈے اپنائے جاتے ہیں لیکن یہ مردانِ حُر "حال مست" ہو کر سفر جاری رکھتے ہیں۔ آخر زور شکست کھا جاتا ہے۔ اور مسکینی و غربت، افلاس و تنگدستی جس کی پشت پر عقیدہ کی مضبوطی اور اخلاق و کردار کی بلندی تھی بازی جیت لیتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ یکہ و تنہا ہیں حکومت پوری طرح اسلام کو دیس نکالا دینے پر تلی ہوئی ہے۔ آپ کو پابہ زنجیر کر کے حوالہ زنداں کر دیا گیا لیکن دعوت کا مشن وہاں بھی جاری رہا۔ نتیجۃً قوم میں دینی انقلاب آ گیا۔

بعد ازاں حضرت حکیم الامت امام ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کا دور آیا۔ مسلم حکومت رو بہ زوال تھی مسلمان ادبار و انحطاط کا شکار تھے۔ خطرہ ہو چلا تھا کہ چراغ اسلام اس خطّہ سے گل ہی نہ ہو جائے لیکن آپ نے انبیاء علیہم السلام کی طویل تاریخ حق و صداقت کی روشنی میں تعلیم و تربیت کا ڈول ڈالا۔ جس کے نتیجہ میں بے عمل و مفلوج مسلمان جوشِ عمل سے لبریز ہو گئے بلکہ دشمنانِ دین و ملت کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں اور اسلام کی عظمت کا پھریرا پھر اسی طرح لہرانے لگا۔

شاہ صاحب مرحوم نے حکمت و دانائی کے قرآنی اصولوں کی روشنی میں جدید اسلوب میں اسلام کی ہمہ گیری اور جامعیت کو نکھارا معاش و اقتصاد، سیاست و تمدن اور معاشرت کے مسائل کی گتھیاں سلجھائیں۔ دعوت کا جدید اسلوب اختیار کیا۔ وہی اسلوب آپ کے بعد آپ کے فرزندانِ گرامی اور مریدوں، شاگردوں اور عقیدت مندوں نے اختیار کیا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اسلام دلائل و براہین کی دنیا میں آج بھی اسی طرح موجود ہے جیسے پہلے تھا

حضرت شاہ صاحبؒ کے فرزندانِ گرامی جن میں صلبی بیٹوں کے علاوہ قافلہ قاسمی کی پوری جماعت شامل ہے آج تک ہند و پاک ہی نہیں بلکہ ربع دنیا کے ایک ایک حصہ میں خدمتِ اسلام و قرآن میں مشغول ہے اور اس بہادر و زیرک جماعت کی جدوجہد و سعی اور مخلصانہ کاوش کے نتیجہ میں اسلام پوری تابانی کے ساتھ جگمگا رہا ہے۔ ان حضرات نے حکمت و موعظت کے ساتھ ساتھ جادلھم بالتی ھی احسن پر بھی پورا پورا عمل کیا اور اس عمل کی داستان دیکھنی ہو تو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ محمد اسمٰعیل، مولانا عبدالحی بڈھانوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری اور آخر میں مولانا لال حسین اختر قدس اللہ اسرارھم کے مناظروں کی روداد میں پڑھیں جو انہوں نے عیسائیوں، آریوں مرزائیوں، رافضیوں اور بتدعین سے کئے۔ ان مناظروں میں آپ کو "ہر حال میں جیتنے" کے مکروہ جذبہ کے بجائے "احقاقِ حق" کی پر خلوص آرزو نظر آئے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مناظروں میں بھی حکمت و موعظت کا رنگ غالب ہو گا۔ فریقِ مخالف پر ذاتی حملہ، اس کی توہین یا اس کے مقتداؤں کی تذلیل کا شائبہ تک نظر نہ آئے گا بلکہ ٹھوس دلائل، واضح براہین اور قرآن و سنت کے معارف کا امڈتا سیلاب ہو گا جس سے آپ آج بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔

اس کے برعکس جو لوگ اسلام پر زور و قوت کا الزام رکھتے ہیں۔ ان کی تاریخ اتنی مکروہ، گھناؤنی اور اندوہناک ہے کہ الامان!

ان لوگوں نے صلیبی جنگوں سے لے کر آج تک ظلم و تشدد، وحشت و بربریت اور اجتماعی ہلاکت بربادی کے جتنے ڈرامے سٹیج کئے ہیں ان کی خالی فہرست بنانی بھی مشکل ہے۔ ان لوگوں کی تگ و دو کا سارا مقصد انسانیت کے خلاف سازشیں اور اس کی تباہی و بربادی کے لیے غار کھودنا ہے۔

امریکہ کے ایک اخبار نویس (پائنیر) نے کچھ دن پہلے ایک مضمون میں لکھا تھا :

" مختلف قوموں نے دور دراز فاصلوں تک تباہی و بربادی لانے والے ایسے آلاتِ حرب تیار کئے ہیں جو روئے زمین سے انسانی و حیوانی و نباتی زندگی کا آخری نام و نشان تک مٹا دیں گے "۔

اسی طرح ایک اور سائنس دان آئن سٹائن نے ایک " بم " سے متعلق لکھا تھا کہ :

" اس بم کا زہر ساری فضا میں پھیل کر کسی متنفس کو زندہ نہ چھوڑے گا "۔

اب بھلا بتلائیے کہ جو لوگ اپنی دولت ، صلاحیتیں اور وقت ان مقاصد پہ خرچ کر رہے ہوں وہ انسانیت کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں ۔ اور انہیں حق ہے کہ وہ اسلام پر اعتراض کریں ۔

ابھی ہند چینی کی جو جنگ ہوئی اس کی ہولناکیوں کی تفصیل خود امریکی و برطانوی پریس کی زبان میں کچھ اس طرح کی ہے کہ چھبیس ہزار امریکی فوجی اور ستاون لاکھ سے زائد ویت نامی ہلاک ہوئے ۹ لاکھ بچے یتیم ہوئے ۱۸ لاکھ سے زائد امریکی فضائیہ نے حملے کئے جس میں ۶۷ لاکھ ٹن سے زائد وزنی بم گرائے گئے ۲۰۰ لاکھ گیلن کے قریب مہلک مادہ فصلوں کو تباہی کے لیے گرایا گیا ۳۵ لاکھ ایکڑ رقبہ متاثر ہوا۔ جبکہ ۴۴ ہزار گیلن سے زائد کیمیاوی مادہ تبدیلی موسم کے لیے صرف ہوا اور خود امریکہ کو ۱۵ کھرب روپے ۸ ہزار طیارے ۷۰۰۰ ہیلی کاپٹروں کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔

آپ اندازہ لگائیں کہ یہ ایک جنگ کا سرسری نقصان ہے ورنہ صلیبی جنگوں سے لے کر پہلی ، دوسری جنگ عظیم اور اس کے بعد مختلف ممالک کی آزادی کی تحریکوں میں سامراجیوں کے ظلم و تشدد کے نقصانات کا اندازہ کریں تو عقل سر پیٹ کر رہ جاتی ہے کہ یہ ہیں انسانیت کے علمبردار ، امن کے نام لیوا اور نام نہاد تہذیب و تمدن کے ٹھیکیدار، پجاری ۔ جبکہ انبیاء کرام کی پوری تاریخ میں انسانی مصالح کی خاطر جو جنگیں ہوئیں ان کا مجموعی نقصان ایک جنگِ عظیم کے نقصان کے پاسنگ بھی نہیں۔

بہرحال بات دور نکل گئی اصل مسئلہ تھا اسلام کے سلسلہ میں دعوت کا اور اس کے قرآنی اصولوں کا اور عرض یہی کیا گیا کہ حضور علیہ السلام سے لے کر آج تک آپ کے خدام نے انہی اصولوں کی روشنی میں کام کیا ۔ نتیجہ اسلام کی برتری و صداقت کی صورت میں سامنے آیا۔

آج یہ سعادت علماء دیوبند کرم اللہ سوادھم کے مقدر میں لکھی ہے جو ایک صدی سے زائد عرصہ سے دینِ محمدی کی پرخلوص خدمت کر رہے ہیں اور تحریر و تقریر ، تربیت و تزکیہ ، تعلیم و تدریس غرضیکہ کوئی میدان ایسا نہیں جس میں انہوں نے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں خدمت نہ کی ہو حتیٰ کہ ضرورت پڑی تو تلواریں لے کر میدان میں بھی کود پڑے اور کم از کم اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام ، اپنی حریت و آزادی کی حفاظت کے لیے جتنی کوششیں ہوئیں ان میں ان لوگوں کا وافر حصہ ہے بلکہ یہ لوگ ہراول دستہ کے طور پر کام کرتے رہے ۔ انہی دنوں میں سلطان ٹیپو نے معرکہ آرائی کی ۔ جس کا تعلق رائے بریلی کے سادات کرام سے تھا جن کے چشم و چراغ حضرت الامام السید احمد شہید تھے ۔ پھر اسی مئی میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ابتدا ہوئی ۔ اسی ماہ میں بالاکوٹ کا خطہ انسانی قربانی و ایثار کا گہوارہ بنا ۔

الغرض جب اور جہاں جس انداز سے بھی خدمت دین کی ضرورت پیش آئی یہی لوگ ہراول دستہ تھے ۔ خدا ان کی قبروں کو منور کرے اور جس آزادی کی خاطر انہوں نے یہ سب کچھ کیا اس کی حفاظت کی ہمیں توفیق بخشے ۔ آمین

سہ محمد عربی کا بروئے ہر دو سرا است
کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ او

تذکرۂ اسلاف

محمد سعید الرحمٰن علوی

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ

(قسط نمبر ۲)

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی سیرت طیبہ کے اس تابناک پہلو جس کا عنوان "مجدد الف ثانی" ہے ذکر کرنے کے بعد آپ کا سوانحی خاکہ پیش خدمت ہے۔ شیخ مرحوم کے آبا و اجداد ایک عرصہ پہلے کابل سے ہندوستان تشریف لائے اور ہند کے مردم خیز خطہ پنجاب کی ایک بستی "سرہند" میں سکونت اختیار فرمالی۔ یہ بستی اب بھی پنجاب کے اس حصہ میں شامل ہے جو مشرقی پنجاب کے نام سے ہندوستان کا حصہ ہے۔

حضرت مجدد اور آپ کے خاندان کی قبریں اس بستی کا سب کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں اور غالباً برِ صغیر کی یہ واحد خانقاہ ہے جہاں بدعات و رسومات شنیعہ کا دُور دُور پتہ نہیں۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

والد مرحوم کا خواب

آپ کے والد گرامی مولانا الشیخ عبدالاحد قدس سرہ اپنے دور کے زبردست عالم ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت الشیخ عبد القدوس گنگوھی رحمۃ اللہ جیسے شیخ وقت کے تربیت یافتہ اور سلسلہ چشتیہ کے بہت بڑے صاحب نسبت بزرگ تھے۔ اس کے علاوہ انہیں سلسلہ قادریہ میں بھی اجازت تھی۔

مرحوم نے ایک شب خواب دیکھا کہ تمام دُنیا میں تاریکی ہی تاریکی ہے۔ سور، بندر لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ ناگہاں سینہ سے ایک نُور نکلا جس سے ایک تخت نمودار ہوا۔ اس پر ایک شخصیت براجمان ہے جس کے سامنے ظالم و بے دین بکری کی طرح ذبح کئے جا رہے ہیں۔ اور کوئی آواز دے رہا ہے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔

حضرت بیدار ہوئے حسرت و حیرت کے ساتھ اس خواب کو سلسلہ قادریہ کے یگانۂ روزگار بزرگ شاہ کمال کیتھلی قدس سرہ جو بقول حضرت مجدد شیخ جیلانی علیہ الرحمۃ کے بعد اپنی مثال آپ تھے سے یہ خواب عرض کیا۔ انہوں نے ارشاد فرمایا۔

تمہارے ایک لڑکا ہوگا جس سے الحاد اور بدعت کی ظلمت دُور ہوگی۔

(خطبہ شوقیہ للشیخ عبدالشکور لکھنوی)

ولادت

آخر وہ مسعود گھڑی آگئی جب کہ دین حق کا علمبردار نیّر تاباں بن کر اس جہانِ رنگ و بُو کے اُفق پر طلوع ہوا۔ یہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ کی تاریخ تھی۔ جمعۃ المبارک کی شب کو صبح صادق سے ذرا پہلے "الف ثانی" کو منور کرنے والا آفتاب ہدایت شکم مادر سے دُنیا میں تشریف لایا۔

جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کے دو ذاتی ناموں "محمد و احمد" میں سے دُوسرا تجویز ہوا۔ ۲۸ واسطوں سے سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ اس نسبت پر آپ کو ناز تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غیرت و حمیّت کے موقعہ پر مکتوبات میں یہ جملہ کئی بار ملتا ہے:۔

"بے اختیار رگِ فاروقیم در حرکت می آید"

تحصیل علم و طریقت

قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد اکثر کتب درسیہ اور کُتب تصوف والد ماجد سے، اکثر کُتب حدیث شیخ یعقوب کشمیری مرحوم سے، کتب معقولات مولانا کمال کشمیری سے اور حدیث و تفسیر سمیت دُوسرے فنون کی منتہی کتابیں مولانا قاضی بہلول بدخشانی سے پڑھیں۔

یہ تمام حضرات وقت کے بہترین اساتذہ، صاحب نسبت بزرگ اور باکمال لوگ تھے۔ گویا قدرت نے آپ کی تعلیم و تربیت کے لیے بہترین انتظامات فرما دیئے۔ طریقت میں سب سے پہلے والد گرامی سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی اور تعلیم سلوک مکمل کی۔ پھر طریقہ قادریہ والد بزرگوار ہی سے سیکھا۔ البتہ اس سلسلہ میں خرقہ خلافت حضرت الشاہ سکندر کیتھلی قدس سرہ نبیرہ شاہ کمال مرحوم سے حاصل ہوا۔ یاد رہے کہ بقول حضرت مجدد، شاہ سکندر اس پایہ کے بزرگ تھے کہ آفتاب پر نظر کرنا اور دیکھنا آسان لیکن ان کے قلب منور و صافی پر نظر ناممکن (خطبہ شوقیہ)

۱۷ سال کی مختصر عمر میں آپ ظاہری و باطنی کمالات کے جامع ہو کر والد مرحوم کی زیر نگرانی کتب درسیہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ طریقہ کی تلقین فرمانے لگے تھے۔

اسی زمانہ میں طریقہ کبرویہ کے مشہور بزرگ مولانا محمد یعقوب صرفی سے یہ طریقہ بھی اخذ کیا لیکن ان سب کے باوجود طریقہ نقشبندیہ کا شوق دل میں بڑھتے بڑھتے عشق کی حد تک پہنچ گیا۔ ۱۰۰۷ھ میں والد مرحوم داغ مفارقت دے گئے تو آپ حرمین شریفین کی حاضری کے لیے گھر سے نکل کر دلی پہنچے۔

دلی میں ملا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی۔ ان سے پہلے شناسائی بھی تھی۔ انہوں نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کا تذکرہ کیا جو الحراف کابل کے باشندے تھے اور غیبی اشارات کے پیش نظر سرزمین ہند میں تشریف لائے تھے تاکہ سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج کریں۔

یاد رہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ بھی ۹۷۱ھ میں ہی پیدا ہوئے۔ یعنی پیر و مرید کا سن ولادت ایک ہی ہے۔ البتہ حضرت خواجہ کو زندگی کی صرف ۳۱ بہاریں دیکھنا نصیب ہوئیں اور آپ ۲۵ جمادی الآخری ۱۰۱۲ھ کو دلی میں وفات پا گئے۔ آپ کے نام سے مستقل قبرستان دلی میں موجود ہے۔

خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں

جب آپ نے ملا حسن مرحوم سے شیخ نقشبند کا تذکرہ سنا تو عشق کی آگ بھڑک اٹھی اور آپ فی الفور ان کی خدمت میں چلے گئے۔ خواجہ مرحوم خلافِ عادت و طبیعت آپ سے بہت زیادہ مہربانی کے ساتھ پیش آئے۔ اور چند دن قیام دہلی کی ترغیب دی۔ آپ نے ۲½ ماہ وہاں قیام کیا۔ قلب انور جو پہلے ہی صیقل پا چکا تھا اب کندن بن گیا اور خواجہ مرحوم نے آپ کو نسبت نقشبندیہ کے کامل طور پر حاصل ہونے کی خوشخبری دی۔ اور دوسری ملاقات میں نہ صرف خلعت خلافت عطا فرمائی بلکہ اپنے حلقہ کے خاص حضرات کو تعلیم کے لیے آپ کے سپرد کیا اور تیسری و آخری ملاقات میں چند قدم چل کر استقبال کیا اور بشارات سنائیں۔

ایک یہ تھی کہ جب میں نے ہند آنے کا قصد کیا تو استخارہ سے معلوم ہوا کہ ایک شیریں نغمہ طوطا میرے ہاتھ پر بیٹھا ہے۔ میں اپنا لعاب اس کے منہ میں ڈالتا ہوں جب کہ وہ اپنی چونچ سے شکر میرے منہ میں ڈال رہا ہے۔ یہ چیز اپنے مرشد و مربی خواجہ امکنگی قدس سرہ سے عرض کی تو انہوں نے فرمایا۔

"ہند میں تمہاری تربیت سے کوئی ایسا کامل شخص ہو گا جس سے ایک عالم ہی منور نہ ہو گا بلکہ تمہیں بھی حصہ ملے گا۔" (خطبہ شوقیہ)

(بقول مولانا رشید احمد گنگوہی خواجہ امکنگی جو اپنے والد خواجہ درویش محمد کے واسطے سے خواجہ احرار کے خلیفہ و خادم تھے شاہ نقشبند کے قدم بہ قدم چلنے میں اپنی مثال آپ تھے)۔ ولادت سے متعلق والد مرحوم کا خواب اور تربیت سے متعلق مرشد و مربی کا خواب آئندہ چل کر حقیقت ثابت ہوئے اور آپ ایسے ہی نکلے جیسا دیکھا گیا تھا۔

حلیہ و اوصاف

آپ کے سوانح نگار متفق ہیں کہ آپ کا قد متوسط تھا، چہرہ سے وجاہت ٹپکتی تھی۔ رنگ گندمی مائل بسفیدی، پیشانی کشادہ، داڑھی گھنی، آنکھیں بڑی بڑی اور انوار ولایت سے صورت اقدس تاباں اور خوبصورتی و ملاحت کے ساتھ آثار رعب و ہیبت نمایاں۔ جو دیکھتا بے اختیار فتبارک اللہ احسن الخالقین کہہ اٹھتا۔

اللہ تعالیٰ جن بندوں کو کسی بڑے مقصد کے لیے نامزد فرماتے ہیں۔ انہیں جو خوبیاں ضروری ہیں وہ سب آپ میں بطریق اتم موجود تھیں مثلاً آپ حلیم، کریم النفس، مدبر، ذہین اور ذکی تھے۔ کلام نہایت شیریں اور شستہ، طبیعت انتہائی غیور اور خوددار، استغنا کی یہ کیفیت کہ جہانگیر جیسا بادشاہ آپ کی اصلیت و حقیقت جان کر غلام بنا مگر اس کے باوجود کوئی مستقل ذریعہ آمدنی پیدا نہ کیا اور کبھی اس کا خیال تک نہ آیا۔

بدعات سے اجتناب اور اتباع سنت تو طبیعت ثانیہ تھی۔ کیونکہ آج ہی نہیں ہمیشہ امت جن آفات کا شکار رہی ان میں سرفہرست سنت سے گریز اور بدعت سے پیار شامل تھا لہٰذا قدرت نے آپ کو انہی اوصاف میں نمایاں مقام عطا فرمایا تاکہ اپنے علم سے زیادہ عملی قوت سے خلقِ خدا کی رہنمائی فرمائیں۔

خدمات

اکبری دربار کی رونقیں عروج پر تھیں اور جیسا کہ یہ تلخ حقیقت معلوم کہ اکبر کا دماغ شروع سے خراب نہ تھا بلکہ مولانا سندھی کے بقول علماء کا ایک طبقہ مشاورت کے فرائض سرانجام دے رہا تھا جس کے نتیجہ میں دین الٰہی کی بنیاد پڑی۔ آپ نے حکیمانہ طریق سے اصلاح کی داغ بیل ڈالی۔ زبانی وعظ و نصیحت کے علاوہ مکاتیب کے ذریعہ کوشاں رہے۔ اس پر علماء سوء کا دشمنِ جاں ہونا لابدی تھا۔ اکبر زندگی کے دن پورے کر کے رخصت ہوا تو جہانگیر تخت و تاج کا وارث بنا، درباری طور و طریق وہی تھے، آپ نے اپنا کام جاری رکھا۔ حاسدوں نے شاہ کے کان بھر کر حضرت یوسف علیہما السلام کی "سُنّتِ زندانی" کی تکمیل کا سامان فراہم کیا تو آپ گوالیار پہنچا دیے گئے۔

آپ نے جیل میں بھی دعوت الی الخیر کا فریضہ جاری رکھا۔ نتیجتہً جیل خانقاہ میں تبدیل ہو گئی اور ہدایت و عرفان کی کرنوں نے جیل کے پھاٹک سے عبور کر کے ماحول کو منور کرنا شروع کر دیا۔ جہانگیر حقائق سے آگاہ ہوا جس میں پیغمبر عربی علیہ السلام کا خواب میں تشریف لانا بھی شامل تھا تو معذرت کر کے ذاتی مہمان بنایا اور اپنے مقربین کی اصلاح کے لیے کچھ دن اسی ماحول میں قیام کا عرض کیا۔ خود جام و سبو توڑ ڈالے۔ شاہزادہ خرم کو مرید کروایا اور سرہند کے لنگر خانہ میں جا کر کام و دہن کو لذت آشنائے حقیقت بنایا۔ جہانگیر کہا

مرشدنا حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم کے فرزند ارجمند محترم صاحبزادہ محمد اجمل قادری ہونہار نوجوان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ حضرت اقدس قطب الاقطاب مولانا احمد علی قدس سرہ العزیز کی دعاؤں کے اثرات ان کے عظیم مشن کے ساتھ ان کے ہونہار پوتے کی والہانہ شیفتگی کی صورت میں ہویدا ہیں۔ ۱۶ رمئی کو صاحبزادہ صاحب موصوف گوجرانوالہ تشریف لائے اور مدنی مسجد گلی ۱۲ جدید باغبانپورہ میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب فرمایا۔ اس نوعمری میں ظلم وجبر کے خلاف جنگ کے عزائم اس امر کے غماز ہیں کہ انہیں اپنے انقلابی پردادا حضرت مولانا عبید اللہ سندھی، شفیق دادا حضرت مولانا احمد علیؒ اور مجاہد باپ حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم کی راہ عزم وہمت اور مشن حق و صداقت کی عظمت ونزاکت کا پورا احساس ہے۔

ذیل میں ان کی تقریر کے چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صاحبزادہ صاحب موصوف کو اپنے عظیم اسلاف کا سچا جانشین بنائے۔ آمین

ظلم کے خلاف جہاد فرض ہے

از

صاحبزادہ محمد اجمل قادری

رپورٹ

محمد یوسف عثمانی

خطبہ مسنونہ کے بعد آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقدس ارشاد تلاوت کیا:

افضل الجہاد کلمۃ الحق عند سلطان جائر۔

ظالم سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل ترین جہاد ہے۔

اس کے بعد آپ نے کہا حق و باطل اور ظلم و عدل کی کشمکش ابتدائے انسانیت سے جاری ہے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ظلم وکفر کے خلاف جو مقدس جہاد کیا وہ روز روشن کی طرح واضح ہے۔ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز کو دبانے کے لیے کون سا ظلم ہے جو نہیں کیا

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وقت کی ظالم اور کافر قوت کے خلاف جہاد جاری رکھا۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم پر بے پناہ مظالم ڈھائے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے دین کی سربلندی اور بنی اسرائیل کی آزادی کے لیے جدوجہد جاری رکھی۔ حتیٰ کہ فرعون کے ظلم سے بنی اسرائیل کو نجات دلانے میں کامیاب ہو گئے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو شکست دینے کے لیے ملک بھر سے ستر ہزار جادوگر جمع کئے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کا مقابلہ ہوا اور وہ شکست کھا کر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ یہ ایمان کا کمال ہے کہ ان جادوگروں کو جن کو ایمان لائے

بمشکل چند منٹ گزرے تھے۔ فرعون نے کفر کی طرف واپس لوٹانے کے لیے قتل تک کی دھمکیاں دیں لیکن ان کے دلوں میں ایمان جاگزیں ہو گیا تھا وہ حق پر قائم رہے اور فرعون کی کسی دھمکی کی پروا نہ کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے اس وقت بھی دنیا میں کفر و ظلم کا دور دورہ تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم و جبر کے خلاف کلمہ حق بلند کیا آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو راہِ حق سے ہٹانے کے لیے ظلم و جبر کی قوتوں نے لاکھ جتن کیے۔ مظالم کے پہاڑ توڑے، معاشی بائیکاٹ کیا، بادشاہت اور منہ مانگی دولت کے لالچ دیے لیکن خدا کے اس آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر خوف، ہر ظلم اور ہر لالچ کو ٹھکراتے ہوئے حق کا پرچم بلند رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حق و انصاف کی فتح ہوئی ظلم و جبر کو شکست ہوئی اور دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو گیا۔

ہمارے تمام اکابر نے اللہ تعالےٰ ان کی قبور پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں اپنے اپنے دور میں ظلم و جبر کا مقابلہ کیا، دار و رسن کو چوما، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن ظلم و کفر کے مقابلے میں انبیاء کرام علیہم السلام کی عظیم سنت کو زندہ رکھا، انگریز کی حکومت کے خلاف ہمارے اکابر و اسلاف نے بے پناہ قربانیاں دی ہیں۔ مالٹا کے جزیرہ میں نظربند ہوئے۔ انڈمان کے جزیرہ میں عمر قید کی سزائیں برداشت کیں، پھانسی کے رسوں کو چوم کر تختہ دار پر چڑھ گئے۔ انگریز کی جیلوں کو آباد کیا اور ہر طرح کی قربانی دے کر جنگِ آزادی کی قیادت فرمائی۔ بالآخر انگریز کو یہاں سے بوریا بستر سمیٹ کر چلے جانے پر مجبور کر دیا۔

آج اگرچہ ہمارے اکابر کی عظیم قربانیوں کی وجہ سے انگریز ہمارے ملک سے چلا گیا ہے لیکن اس کا نظام ابھی ملک میں موجود ہے اور آزادی کے ۲۷ برس گزر جانے کے باوجود ہم انگریز کے نافذ کردہ ظلم و کفر کے نظام سے نجات حاصل نہیں کر سکے۔

آج ہمارے مسائل الجھے ہوئے ہیں۔ مہنگائی، جرائم میں بے حد اضافہ اور بے حیائی کے فروغ نے ہر شہری کو پریشان کر رکھا ہے اور اس کا صرف ایک حل ہے کہ ظلم و جبر کے انگریزی نظام کو ختم کر کے اس کی جگہ عدل و انصاف کا اسلامی نظام ملک میں رائج کیا جائے۔ یہ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام کے عادلانہ نظام کے نفاذ کے بغیر ہمارا کوئی مسئلہ بھی حل نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے آج ہمارے بزرگ اسلام کے قانون کے نفاذ کے لیے پاکستانی عوام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی مہم میں مصروف ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔ اور آج ہمارے اکابر بھی جہاد کر رہے ہیں۔ آج کا نظام بھی ظلم و جبر کا ہے اور حاکم بھی ظالم و جابر ہیں اس لیے اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا بلکہ عملی جہاد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ہفت روزہ خدام الدین ملنے کے پتے

گوجرانوالہ میں

عبدالستار صاحب اخبار فروش بازار دیگاں والا سے حاصل کریں نیز پرچہ گھر پر پہنچانے کا بھی انتظام ہے

کہروڑ پکا میں

محمد بشیر صاحب صابر۔ نیوز ایجنٹ چوک بخاری کہروڑ پکا ضلع ملتان۔

لیہ میں

محمد قاسم صاحب مدرسہ قاسم العلوم لیہ ضلع مظفر گڑھ

دین کا مدار کتاب و حکمت پر ہے

محمد ایوب خان چغتائی : سیکرٹری بلدیہ ڈیرہ غازی خان

برادرانِ اسلام قرآن کریم کی ابتدا میں فرمایا گیا ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ ۔ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ پھر فرمایا گیا: كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۔

"وہ مبارک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں تدبر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت پذیر ہوں"

پھر فرمایا: أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا

کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں

قرآن کی وجہ تسمیہ

لہٰذا کتاب سے مراد وہ کلام ربانی ہے جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا جو آج تک محفوظ رہا نیز قیامت تک ان شاء اللہ محفوظ رہے گا اس کو قرآن بھی کہتے ہیں جس کی وجہ تسمیہ جناب علامہ ابن قیم نے یوں تحریر فرمائی: کہ لفظ قرآن محاورہ قَرَأْتُ الْحَوْضَ سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ حوض پانی سے لبالب لبریز ہوتا ہے اسے قرأت الحوض کہتے ہیں چونکہ قرآن پاک جملہ علوم پر محتوی اور عرفان تام کا ظرف اور حقائق حقیقیہ کا حامل ہے۔ اسی لیے اس کا نام قرآن پڑا۔ محققین نے قرآن قرآءۃ سے مشتق ہونا قرار دیا ہے جس کے معنی جمع کرنے اور اعلان کرنے کے ہیں اور مطلب یہ ہوگا کہ قرآن ایک ایسا اعلان ہے جو علم اور حکمت اور جملہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات پر مشتمل ہے۔

حکمت

قرآن حکیم ہمارے لیے ضابطۂ حیات دستور العمل اور کائنات ارض وسما اور موجودات عالم کی ہر وجود کی قدروں کا حامل ہے لیکن اس کو سمجھنے کے لیے حکمت کی ضرورت ہے۔

حکمت سے مراد دانائی، عقلمندی، سمجھ، دانش، فہم، فضائل محمود اور محاسن کثیرہ کے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے: وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی۔ ایک اور جگہ فرمایا گیا وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۔ جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دی گئی۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ إِذَا وَجَدَهَا أَخَذَهَا

حکمت کو مومن کا گمشدہ مال سمجھو اور جہاں پاؤ اسے اپنا مال سمجھ کر پکڑ لو

دعائے خلیل اللہ علیہ السلام

ایک وقت تھا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ اور اسماعیل ذبیح اللہؑ جب خانہ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوئے کہ اے اللہ العالمین یہ گھر تو ہم نے بنادیا اب تو اس کو آباد کرنے والا ہے عرض کیا اے پروردگار! اے رب بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے کہ ان میں تیری آیات تلاوت فرمائے اور ان کو تیری کتاب سکھائے اور حکمت سکھلائے اور ان کو خوب ستھرا اور پاک کردے۔ بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔ (سورۃ البقرہ)

باپ بیٹا علیہم السلام کی دعا میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چند خصوصیات بیان کی گئی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومن جماعت میں پیدا ہوں۔ مکہ معظمہ ہی میں پیدا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کتاب اور رسول مرسل ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب کے علاوہ حکمت بھی عطا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے معلم بھی ہوں اور مزکی اور پاک صاف کرنے والے ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھنے والے

پاک صاف اور روشن ہوں۔

بشارت منجانب رب جلیل

ایک وقت آیا کہ دربار رب العزت میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشے جانے کی بشارت ان الفاظ میں دی گئی اور وہ تمام خصوصیات عنایت وافر سے عطا کی گئیں اور ساتھ ہی ایک بہت بڑا احسان جتایا گیا۔ فرمایا گیا:-

بیشک اللہ کا بڑا احسان ہے مومنوں پر کہ ان میں ان ہی میں سے ایک رسولؐ بھیجا جو ان پر ان کی آیات پڑھتا ہے اور ان کو پاک فرماتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے گمراہی کھلی میں تھے (آل عمران)، یہی کتاب اور حکمت ہمارے مضمون کا موضوع ہے جس پہ دین فطرت اور دین الٰہی کا انحصار اور دارومدار ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن میں کتاب سے مراد فرقان حمید ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور حکمت سے مراد فہم قرآن اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، کیونکہ جب تک قرآن کی سمجھ اور پوری پوری فہم نہ ہو اس وقت تک ہم قرآن کریم کی رُوح کو نہیں سمجھ سکتے یا اس کے مفہوم سے واقف نہیں ہو سکتے یہ ہم پر کیا موقوف ہے بلکہ عرب کے رہنے والے جو کہ صاحب لسان تھے اور فصاحت وبلاغت میں ید طولیٰ رکھتے تھے وہ بھی قرآن کریم کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر تھے جب تک کہ خود مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تعلیمات کے ماحصل کو پیش نہ کیا۔ یہ اس لیے کہ قرآن کریم کے بعض الفاظ ایسے ہیں جن کے اصطلاحی مفہوم کو ہم اس وقت سمجھ سکتے جب کہ ہم نے ان قرآنی الفاظ کا استعمال حدیث شریف میں دیکھا مثلاً جماعتی نظام کی تشکیل کا جو تصور قرآن میں موجود ہے اگر اس قسم کی احادیث ہمارے سامنے نہ ہوتیں تو ہم نہ تو امیر جماعت کا تصور کر سکتے اور نہ سمع کی اصطلاح کا مفہوم اور مطلب سمجھ میں آتا اور نہ ہی اطاعت کے صحیح معنوں سے بہرہ ور ہو سکتے۔ اس بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارک پیش کی جاتی ہے۔ فرمایا: میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم اللہ تعالےٰ نے دیا ہے۔ جماعت، سمع، طاعت، ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد۔ یقیناً جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا۔ اور جس نے اسلام کی جماعتی زندگی کی جگہ جاہلیت کی بے قیدی کی طرف بلایا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ایسا شخص جہنمی ہوگا۔ اگرچہ روزہ رکھتا ہو۔ نماز پڑھتا ہو۔ فرمایا: ہاں۔ اگرچہ روزہ رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو۔ اور اپنے زعم میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو۔

جِلاءِ انسانی: آیات مندرجہ بالا میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت مذکورہ آئی ہے کہ وہ تم کو پاک وصاف کرتے ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نفوس انسانی میں وہ "جِلا" روحانیت، اعمال صالحہ، اتقاء اور طہارت پیدا کرتے ہیں کہ نفوس انسانی میں ایک ایسی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ قرآن کریم کی تمام روحانی تعلیمات سے پوری طرح بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ انسان کا سینہ مثل آئینہ کے ہے کہ جس قدر آئینہ صاف ہوگا، اس میں اپنے مقابل کا عکس پوری طرح قبول کیا کرے گا۔ گویا نفس انسانی میں جس قدر مادیت کی کمی ہوگی اور روحانیت کی زیادتی ہوگی اسی قدر اس میں روحانی جِلا زیادہ اور عقل فعال کے ساتھ اس کا اتصال پیش از بیش ہوگا جس کی وجہ سے وہ عالم غیب کے حقائق کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھے گا۔ اس کے خلاف جس قدر نفس کو مادیت سے ممد کرے گا اسی قدر اس کو عقل فعال سے بُعد اور دوری ہوتی جائے گی۔ اور قرآن کی رُوح کو سمجھنے سے قاصر رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرور کائنات کے بعد یہ فیض عظیم بزرگان دین کی صحبت سے میسر آتا ہے۔

نیز قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔ ان کے پاس دِل تو ہیں مگر ان سے سمجھتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں، ان کے پاس کان ہیں مگر سنتے نہیں۔ یہ لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ——— یہی لوگ غافل ہیں۔

قرآن کریم کی مثال

معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن کریم کی مثال جدید زمانہ کے مغرب زدہ لوگوں کی فہم اور سمجھ کے مطابق کسی مرتب اور مہذب قانونی کتاب کی نہیں جس میں تمام احکام مختلف ابواب میں ہوں جو ایک خاص نظم اور نسق کے ساتھ بیان کر دیئے جاتے ہیں بلکہ قرآن حکیم کی مثال ایک طبیب حاذق اور سرہنگ اعظم کی سی ہے جو مریض کے لمحہ بہ لمحہ متغیر ہونے والے احوال کو دیکھ کر نسخہ میں دوا تجویز کرتا ہے یا طریق جنگ کی مصلحتوں اور مخالف فریق کی مورچہ بندیوں اور اصول اقدام و تاخیر کے پیش نظر فوج کو کسی محاذ پر لڑنے کی ہدایت کرتا ہے اور کبھی کسی دوسرے محاذ پر لڑنے کی ہدایت کرتا ہے۔ کبھی وہ کہ تلوار استعمال کراتا ہے تو کبھی بندوق اور توپ اور دیگر سامان حرب، کبھی وہ آگے بڑھنے کا حکم دیتا ہے تو کبھی مصلحت کے تحت فوج کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیتا ہے۔ ظاہر طور پر یہ مختلف احکام ایک دوسرے کے منافی یا ضد تصور ہوتے ہیں یا ایک نسخہ دوسرے نسخہ کی ضد پایا جاتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ باہمی تضاد اور منافات کے باوجود ان میں ہر ایک حکم اور ہر گونہ نسخہ اپنے مخصوص موقعہ اور طبیعت کے اعتبار سے اتنا ضروری ہوتا ہے جتنا کہ دوسرا حکم اپنے موقعہ اور محل کے لحاظ سے۔ اگر ایک کو دوسرے کی جگہ پر رکھ دیا جائے تو اس کا نتیجہ سوائے تباہی اور بربادی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو دین دنیا میں آخری بن کر آیا ہے اس میں ایسی لچک اور تنوع احکام کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضور سرور کائنات تک

زمانہ دراز میں علمی استعداد اپنے اپنے موقعہ اور محل کے لحاظ سے مختلف رہی۔ وہ ابتداء میں اتنی وسیع اور بلند نہ تھی اور نہ ہی اس وقت کی علمی سطح اس سے آن کا تقاضا کرتی تھی اور تمام علوم ہر ایک نبی علیہ السلام پر آشکارا ہوتے یا وہ عوام پر آشکارا کرتے جبکہ بعض تو خاص خاص خطۂ ارض اور قوم کے لیے مبعوث ہوئے لیکن جوں جوں زمانہ ترقی کرتا گیا اسی طرح رفتہ رفتہ قرآن کے معارف زمانہ کے حالات کے ساتھ ساتھ اور تدبر پر کھلنے لگے حتےٰ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا دور نزدیک آیا۔ اور حضور سرکار دو عالمؐ کو تمام جہانوں کا نذیر بنا کر بھیجا گیا۔ گویا حضور سرور کائنات کو جہاں تمام ارضِ کائنات و موجودات عالمین کا رحمت العالمین بنا کر بھیجا گیا وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے ڈرانے کا تصرف بھی عطا کیا گیا۔ آج وہ وقت آگیا ہے کہ ہم چاند پر اترنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر موجودہ دور میں سائنس کے ارتقاء کو دیکھا جاتے اور ساتھ ہی ساتھ ان آیات پر تدبر کیا جاتے تو معلوم ہوگا کہ ایک وقت ضرور ایسا آنے والا ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ چاہیں گے تو زمینوں اور آسمانوں کی مخلوق کو آپس میں ملا دیں گے۔ سورہ شوریٰ میں فرمایا گیا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ط وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ۝

اور منجملہ اس کی قدرت کی نشانیوں کا پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا اور ان جانداروں کا جو اس نے آسمان اور زمین میں پھیلا رکھے ہیں اور وہ ان خلائق کو جمع کرنے پر قادر ہے جب وہ چاہے۔

حکمت یعنی سنت رسولؐ پر قدرتی دلائل اور شواہد

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ والی آیات میں الکتاب والحکمۃ میں عطف ہے اگر ہم حکمت کے معنی کتاب یا حکمت کو بعینہٖ کتاب تسلیم کریں تو حکمت کا عطف کتاب پر عطف بیانیہ ہوگا لیکن یہاں عطف بیانیہ کا موقعہ نہیں کیونکہ یہاں تو احسان جتایا جا رہا ہے اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کثیرہ کو بیان کرنا مقصود ہے یا کم از کم حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے ان الفاظ کو لفظ بلفظ شرف قبولیت بخشنا مطلب ہے جو دعا انہوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد اس کو آباد کرنے کے لیے کی تھی۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ انہوں نے اپنی دعا میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حکمت کی عطائیگی کے لیے بھی دربار رب العزت میں دعا کی تھی تو حکمت کی صفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک علیحدہ ہے۔

اس کی تائید حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک قول سے یوں ہوتی ہے جو فرماتے ہیں کہ یقیناً اللہ نے [illegible]

زیادہ محبوب تھے۔ سنا ہے کہ اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن مجید اور حکمت سے مراد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حکمت سے مراد غیر کتاب اللہ کوئی دوسری چیز ہے تو وہ کیا ہے اور کہاں ہے اور اگر کسی ایسی چیز کا وجود ہے تو لامحالہ قرآن حکیم کے بعد اس کی منزلت سب سے زیادہ ہوگی" لیکن نہیں قرآن کے بعد کوئی ایسی چیز نہیں جس کی قدر و منزلت قرآن کریم سے زیادہ ہو پھر از روئے بلاغت و فصاحت جو کہ کلام الٰہی کو ہے حکمت سے کتاب اللہ مراد ہو ہی نہیں سکتی۔ تفسیر ابن کثیر، تفسیر قادری اور اسی قسم کی دوسری تفاسیر میں کتاب سے مراد قرآن کریم اور حکمت سے مراد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کیا گیا ہے۔

حدیث شریف کے تمسک سے گریز

معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے صرف لغت، ادب، معانی اور بیان کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ شریعت اسلامیہ کے اصل سرچشموں سے بھی پوری پوری سیرابی کی ضرورت ہے اور یہ سیرابی شریعت کی واقفیت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہمارے بعض دوست آج کل فہم قرآن کے لیے شریعت اور حدیث شریف سے تمسک کرنے سے گریز کرتے ہیں بلکہ کئی تو بالکل انکار ہی کرتے ہیں اور یہ آج کے دوستوں کا حال نہیں بلکہ آج سے کئی صدیاں پہلے بھی ایسی بحثیں چھڑ چکی ہیں جیسا کہ علامہ ابن حزم اندلسی اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے درمیان یہ بحث جاری رہی لیکن قرآن خود ہی اتباع رسول کریم کے ساتھ اتباع سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدعی ہے۔ نیز جہاں کہیں اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے وہاں واضح اور علیحدہ الفاظ میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی شریعت مطہرہ کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا:۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مومن صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں۔

آیات مندرجہ بالا میں ایمان بالرسول کا مطلب صاف طور پر بتایا جا رہا ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوت کا اقرار کیا جائے بلکہ اقرار کے ساتھ ساتھ حضور سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ احکام کی من وعن تعمیل کی جائے کیونکہ قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ:۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۔ اور ہم نے آپ پر کتاب نازل نہیں کی مگر

اس لیے کہ آپ ان لوگوں کے سامنے مراد پیدا کر دیں۔ جو اس میں اختلاف کر رہے ہیں۔

اس آیت میں لفظ فیہ کی ضمیر مجرور قرآن کریم کی طرف راجع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم اس لیے نازل کیا گیا کہ جب قرآن کریم کے کسی لفظ کے معنی میں یا حکم میں اختلاف رائے پیدا ہو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے الفاظ کی تشریح بیان فرما کر اختلاف کا خاتمہ کر دیں یہ ایک ایسا منصب ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور کیوں ایسا منصب کسی اور کو تفویض ہو جب حضورؐ خاتم ہی ٹھہرے اور حضورؐ سے زیادہ صاحب قدر و منزلت کوئی ہستی ہے ہی نہیں"

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے :-

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ہم نے آپ پر نصیحت کی کتاب نازل کی تاکہ جو تعلیم لوگوں کی طرف بھیجی گئی ہے آپ ان پر اسے اچھی طرح واضح کر دیں"

لِتُبَيِّنَ" میں لام غایت کا ہے جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ پر جو قرآن کریم نازل کیا ہے اس کی غایت یہی ہے کہ آپ اس کو کھول کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کریں۔ یعنی آپؐ ہی سب سے بہترین شارح مفسر اور اس کے معانی و مطالب کو بیان کرنے والے ہیں۔ کوئی آپؐ سے اور آپؐ کی بیان کردہ تشریحات قرآن سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

سنت سے احتجاج

حضرت علامہ ابن سعد نے طبقات میں جناب حضرت عکرمہؓ کی روایت سے جناب حضرت ابن عباسؓ کا ایک واقعہ تحریر کیا ہے کہ جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابن عباسؓ کو خوارج کے پاس بھیجا تو فرمایا کہ تم ان کے پاس جاؤ اور مباحثہ کرو مگر کیفیات قرآن کو درمیان میں نہ لانا کیونکہ وہ معنی مختلفہ کو متحمل ہوتا ہے البتہ سنت سے احتجاج کرنا جناب حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ میں ان کی نسبت قرآن کو زیادہ جانتا ہوں۔ کیونکہ وہ ہمارے گھر ہی میں نازل ہوا ہے۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ ہاں تم سچ کہتے ہو لیکن القرآن حمال ذو وجوہ قرآن میں اجمال کی وجہ سے مختلف معنی کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ تم بھی کہتے رہو گے اور وہ بھی کہتے رہیں گے۔ اور فیصلہ کچھ نہ ہوگا۔ اس لیے سنت سے استدلال کرنا وہ اس سے بچ کر کہیں نہیں جا سکیں گے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے خوارج سے سنت کی روشنی میں مناظرہ کیا تو وہ لاجواب ہو گئے۔

اس واقعہ سے صاف پایا جاتا ہے کہ حدیث مبارک قرآنی اجمال کی شرح اور تفسیر ہے بلکہ قرآن کے اعجاز کے ساتھ ساتھ ایجاز کو بھی ماننا پڑتا ہے کہ قرآن بطور متن ہے اور سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بطور تفسیر و تشریح۔ پھر تشریع احکام کا منبع دونوں ہیں جیسا کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ بھی ایسا سمجھتے تھے اور دین کا مدار ان دونوں پر رکھتے تھے۔ (جاری ہے)

بدعت

حضرت مجدد الف ثانی کی نظر میں

سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ حضرت سید المرسلین کا دین اور متابعت اختیار کریں، روشن سنت کو بجا لائیں اور ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز کریں۔ اگرچہ بدعت سپیدی کی مانند روشن ہو لیکن درحقیقت اس میں کوئی روشنی اور نور نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی بیماری کی دوا ہے اور نہ کسی دکھ کی شفا ہے کیونکہ بدعت دو حال سے خالی نہیں ہو سکتی یا تو سنت کی رافع ہو گی یا اس سے ساکت ہو گی ساکت ہونے کی صورت میں ضرور سنت پر زائد ہو گی اور سنت پر زیادتی گویا سنت کو نسخ کرنا ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی اور اس میں کسی قسم کی خیر نہیں اور نہ کوئی حسن ہے۔ ہائے افسوس! ان لوگوں نے دین کامل اور اسلام پسندیدہ میں جبکہ نعمت تمام ہو چکی ہے بدعت محدثہ کے حسن ہونے کا کس طرح فیصلہ دیا ہے یہ نہیں جانتے کہ دین کے اکمال و اتمام پر اور رضا کے حاصل ہونے کے بعد دین میں کوئی نیا کام پیدا کرنا حسن سے کوسوں دور ہے فماذا بعد الحق الا الضلال اگر یہ لوگ جانتے کہ دین میں محدث امر یعنی بدعت کو حسن کہنا دین کے کامل نہ ہونے کو مستلزم ہے اور نعمت کے ناتمام رہنے پر دلالت کرتا ہے تو ہرگز اس قسم کے حکم پر دلیری نہ کرتے۔

(مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۱۹)

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

عبدالرحمٰن بلوچ — جامعہ فاروقیہ، کراچی

اسلام کی برکات

اسلام نے مزدور کو گورنر مفلس اور کنگال کو دولت مند اور محکوم کو حاکم بنا دیا ان کا نام عمر بن عمیر بن عامر تھا، علاقہ یمن کے رہنے والے تھے، اور قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے، بعض نے ان کا نام عبداللہ بن عبدالشمس اور بعض نے عبدالشمس لکھا ہے، اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، اپنے وطن میں ریوڑ چرایا کرتے تھے، لیکن مدینہ منورہ پہنچ کر ان کا مشغلہ دیدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسب فیض اور تحصیل علم تھا۔

وجہ تسمیہ

انہوں نے ایک بلی کا بچہ پال رکھا تھا اور رات دن اس کو اپنے پاس رکھتے تھے، اور عموماً اپنے کرتے کے آستین میں رکھ کر مسجد نبوی میں بھی ساتھ لے جایا کرتے تھے بلی کے بچہ سے اتنی زیادہ محبت اور پیار دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام ہی ابوھریرہ رکھ دیا۔ یہ نام اتنا مشہور ہوا کہ دنیا اصل نام سے ہی ناآشنا ہو گئی، اور آج ابوھریرہ کے نام سے ہی جانتی ہے، حضرت ابوھریرہ ہجرت کر کے خیبر کے میدان میں پہنچے اور وہاں سے مدینہ عالیہ پہنچ کر ہمیشہ کیلئے وہاں کے ہو کر رہ گئے اور دربار نبوی میں سب سے زیادہ حاضر باش آپ ہی تھے۔

شوقِ علم

جب کہ مہاجرین اپنا وقت تجارت اور انصار کاشتکاری میں بِتا دیتے تھے یہ اپنا سارا وقت دربار رسالت میں خرچ کرتے اور فیض یاب ہوا کرتے تھے آپ فرماتے ہیں علم کا ایک باب سیکھنا میرے نزدیک ہزار نفل پڑھنے سے بہتر ہے (ترغیب ص ۱ ج ۱)

معجزہ

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے حضرت ابوھریرہؓ ایک طرف خاموش بیٹھے تھے حضورؐ نے فرمایا! ابوھریرہؓ! تم مال غنیمت کیوں نہیں مانگتے؟ عرض کی حضور مجھے تو آپ اس علم کی نعمت عطا فرمائیں! جو آپ نے اللہ سے حاصل کیا ہے یہ کہہ کر اپنی چادر حضورؐ کے سامنے بچھا دی! اور عرض کی یا رسول اللہ مجھے خطرہ ہے کہ جو کچھ پڑھتا ہوں بھول نہ جائے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پڑھ کر میری چادر پر پھونک ماری، اور فرمایا اس چادر کو اپنے سینے سے لگا لو جوں ہی میں نے اپنے چادر کو سینے سے لگایا، میرا حافظہ اعجازی طور پر بہت قوی ہو گیا اور خدا کی قسم اس دن سے آج تک کوئی حدیث نہیں بھولا۔ (ابو نعیم صفحہ ۳۸۱)

میرے بھائیو! اسی اعجاز کا اثر ہے کہ سب سے زیادہ حدیثیں ابوہریرہؓ سے مروی ہیں، علامہ ابن حزم نے ان کا شمار پانچ ہزار تین سو سے زائد بتایا ہے اور صحابہؓ اور تابعین میں سے آٹھ سو سے زائد اشخاص کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے آپ استاذ العلماء کہلاتے ہیں،

تحصیلِ علم میں مشقت برداشت کرنا

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا لوگ کہا کرتے تھے کہ ابوہریرہؓ بکثرت حدیثیں بیان کرتے ہیں، مگر مہاجرین و انصار کو کیا ہوا؟ کہ وہ ابوہریرہ کی طرح حدیثیں بیان نہیں کرتے! وجہ یہ ہے کہ میرے مہاجرین بھائیوں کو بازار کی خرید و فروخت مشغول رکھتی تھی، اور میرے انصار بھائی اپنے کھیتوں میں مشغول رہتے تھے اور میں سایہ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگا رہتا تھا، بھوک کی وجہ سے کبھی اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا کبھی پیٹ کے بل لیٹ جاتا، کبھی چکر کھا کر گر پڑتا اور مجھے غشی آ جاتا لوگ کہتے کہ ابوہریرہ کو جنون ہو گیا ہے! ترغیب ص ۱۷۵ ج وغیرہ

حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ کا امتحان

ایک مرتبہ مروان حاکم مدینہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے کچھ حدیثیں قلمبند کروائیں، ایک برس کے بعد پھر مروان بن حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ کو بٹھا کر اسی ذخیرہ حدیث کو سنانے کی فرمائش کی۔ جب حضرت ابوہریرہؓ نے ان احادیث کو دہرایا تو ایک سال پہلے لکھے ہوئے صحیفہ سے ذرا بھی فرق نہ تھا اور نہ ہی مضمون میں فرق تھا۔ اور نہ حدیث کی ترتیب میں! سبحان اللہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر تھا کہ حافظہ اتنا قوی ہو گیا!

اسلام کی برکت سے ان کا آقا حاکم ان کا غلام بن گیا،

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے میں بُرّہ بنت غزوان کا نوکر تھا اور میرے تنخواہ

(باقی ص ۲۴ پر)

مردِ مومن کا جذبۂ ایمانی

از:- حافظ محمد صدیق ہیڈ پوسٹ آفس کیمبلپور

ے آئینِ جواں مردی حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ایک ایسا شاہی دربار ہو جس کے حکام کا ظلم و ستم پوری دنیا میں مشہور ہو، جلاد ہر طرف شمشیر بکف کھڑے ہوں ذرا سی بات پر سر قلم ہو رہے ہوں، اچھے اچھے لرزہ براندام ہوں، کسی کو بات کرنے کی ہمت، کسی کو آنکھ اٹھانے کی مجال نہ ہو، ایسے عالم میں حق بات کہنا امر محال ہے ایسے حالات میں وہی کلمہ حق بلند کر سکتا ہے جسے دنیا سے لگاؤ نہ ہو۔ جس کا دل صرف خداوند قدوس کی جلالیت سے لرز رہا ہو۔ جو دنیا کے جاہ و جلال سے متاثر نہ ہو۔ جسے جان سے زیادہ کلمۂ حق عزیز ہو۔ ایسے مرد مومن ہر زمانے میں گزرے ہیں مگر بہت کم۔

اگر قرن اولیٰ کی طرف نظر دوڑائی جائے تو اس قسم کے نڈر بادشاہوں کے تخت و تاج سے کھیلنے والے مرد مومن چند ایک ملتے ہیں۔

مرد مومن کے مدنظر خدا کی کبریائی اور عظمت ہوتی ہے۔ اس کی نظر میں دنیا کی عظیم طاقتیں شمشیر و خنجر، تیغ و تفنگ، توپ، بم وایٹم سب ہیچ نظر آتے ہیں۔ مرد مومن کبھی دنیاوی طاقتوں سے مرعوب نہیں ہوتا۔ دنیا بادشاہوں کے قانون کا انتظار کرتی ہے۔ چمن کے پھول بہار کا انتظار کرتے ہیں گھاس اور پودے پانی کے لیے ترستے ہیں، رات کا بھٹکا ہوا مسافر صبح کے انتظار میں رہتا ہے۔ مگر خدا کا مومن کی ہر ادا اللہ تعالیٰ کی منتظر رہتی ہے۔

تقدیر کے تابع ہیں نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

بندہ مومن کے نزدیک شمشیر و سناں کی جھنکار ایک نغمہ سے زیادہ نہیں۔ اگر کلمۂ حق کہتے ہوئے جان کی بازی لگانے سے دریغ نہیں کرتا وہ ظالم سے ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہتا ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر۔

ظالم سے ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق بلند کرنا جہاد افضل ہے۔ آئیے دور نبوت کے دو ایسے ہی مردان حر کا حال سنئے۔

مقتولان احد کے عزیز و اقارب کے دلوں میں جذبۂ انتقام زوروں پر ہے۔ سلافہ بھی انہی لوگوں میں سے ہے۔ اس نے اپنے دو بیٹوں کے قاتل حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کھوپڑی میں شراب پینے کا تہیہ کیا ہوا ہے۔

سلافہ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے" جو شخص عاصم کا سر کاٹ کر لائے گا اسے سّو اونٹ بطور

انعام دیئے جائیں گے۔ سفیان بن خالد اس لالچ کی غرض سے عضل و قارہ کے چند آدمیوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجتا ہے جو کفر پر ایمان کا لبادہ اوڑھ کر حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں کفار کی یہ جماعت تعلیم و تبلیغ کا بہانہ کرکے چند صحابہ کو ساتھ لے جاتی ہے جن میں حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں۔ راستے میں گروہ والے بدعہدی کرتے ہیں اور دو سو آدمیوں کو مقابلے کے لیے لاتے ہیں جن میں سو مشہور تیر انداز ہیں صحابہ کا لشکر پہاڑی "فدفد" پر چڑھ جاتا ہے۔ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوش میں آکر فرماتے ہیں "ان دھوکہ بازوں سے نہ گھبراؤ۔ شہادت کو غنیمت جانو تمہارا محبوب آقا تمہارے ساتھ ہے"، بڑے جوش سے مقابلہ کرتے ہیں۔ جب تیر ختم ہو جاتے ہیں تو نیزوں سے مقابلہ کرتے ہیں مگر کہاں دو سو اور کہاں چند! حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخموں سے چور ہوکر گر پڑتے ہیں اور یہ دعا کرتے ہیں "اے خدا میں تیرے راستے میں جان قربان کر رہا ہوں تو ہی میرا محافظ ہے" یہ کہا اور جہانِ فانی سے جہانِ ابدی کو رخصت ہو گئے۔

دعا بارگاہ الٰہی میں منظور ہو چکی ہے شہد کی مکھیوں کا ایک لشکر حکم خداوندی سے نعش کو گھیر لیتا ہے کفار رات کو سر کاٹنے کا تہیہ کرکے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ رات کو زور کی بارش ہوتی ہے اور نعش کو پانی بہا کر لے جاتا ہے۔ ساتھیوں میں سے تین صحابہ جام شہادت نوش کر چکے ہیں تین آدمی جن میں حضرت عبداللہ، حضرت خبیب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں، کو عہد و پیمان کرکے نیچے اتار لیا جاتا ہے۔ اور کمانوں کی تانت نکال کر ان کی مشکیں باندھ دی جاتی ہیں عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفار کے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہیں۔ کفار انہیں زبردستی ساتھ لے جانے کی کوشش کرتے ہیں مگر ناکام رہتے ہیں۔ اتنے میں ایک ظالم کی تلوار بلند ہوتی ہے اور حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر کٹ کر تن سے جدا ہو جاتا ہے۔ اسلام کے باقی دو دیوانوں کو کفار کا یہ گروہ فروخت کرنے کے لیے مکہ لے جا رہا ہے۔

مکہ کا بازار ہے ہر طرف کفر کا غلبہ ہے۔ آفتاب اسلام کی شعاعیں کبھی چمکتی ہیں مگر کفر کی گھنگھور گھٹائیں ابھی ان پر غالب ہیں۔ دو بندگانِ مومن جنہیں مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف حاصل ہے۔ کو نیلام کیا جا رہا ہے، خوب بڑھ چڑھ کر دام لگائے جا رہے ہیں آخر ایک وقت آتا ہے دونوں خریدے جاتے ہیں اور زندان کی تاریک کوٹھڑیوں میں مقفل کر دیئے جاتے ہیں۔

کفار مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانوں کو اذیت و مصیبت میں دیکھ کر مطمئن ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ وہ اپنے کیے کی سزا پا رہے ہیں مگر جن کے سامنے اپنے محبوب آقا کا یہ ارشاد ہو، الدنیا سجن المومن وجنت الکافر۔ جو اس ساری دنیا کو قید خانہ سمجھے ہوتے ہوں ان کے لیے دیوار زندان اور صحن گلستان یکساں ہیں۔ ان کے لیے چمن کی نغمہ سرائی اور کوہ و بیاباں کی دشت پیمائی مساوی ہے ان کے لیے صحرا کی صحرا نوردی اور نخلستانوں کی ٹھنڈک برابر ہے۔ ان اللہ کے بندوں نے زندان کو مسجد بنا رکھا ہے، نوافل پڑھے جا رہے ہیں، تلاوت کی جا رہی ہے۔ کبھی نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں کبھی ذکر کے لیے بیٹھ جاتے ہیں۔ دونوں قیدی اس طرح مطمئن ہیں جس طرح شیر کچھاروں میں! نہ ان کو غم زندان ہے نہ پروائے قید و سلاسل، نہ انہیں کوئی شکوہ و شکایت ہے۔ بالکل خاموشی سے یاد الٰہی میں مشغول ہیں۔ بہکانے والے آتے ہیں تو ان کا جواب خاموشی سے دیا جاتا ہے۔

کفار مکہ ان کی ہمت اور جوان مردی پر حیران ہیں جب اللہ کے یہ شیر گیدڑوں کی بات ماننے سے انکار کرتے ہیں تو ان کو آخری آزمائش کے لیے تختہ دار

کے سامنے لایا جاتا ہے غلامان مصطفیٰ صلعم خبیب رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ مقتل میں تختہ دار کے سامنے ہیں ان کے سامنے شمشیر و سناں چمکائے جا رہے ہیں خدا کی ان برگزیدہ ہستیوں کو وہ اذیت دی جا رہی ہے جس کو چشم فلک دیکھنے سے قاصر رہی ہے۔ جسم پاک میں برچھیاں اتاری جارہی ہیں۔ پھانسی کے پھندے ڈالے جارہے ہیں۔ آوازے کسے جارہے ہیں تمسخر اڑایا جا رہا ہے۔ اتنے میں ہجوم میں سے آواز بلند ہوتی ہے کہ ، اب بھی اپنے آبائی دین پر آجاؤ تمہیں رہا کر دیا جائے گا اور اس مصیبت سے چھٹکارا پاؤ گے" لیکن ان کی زبان پر ہے۔

تیر و تلوار نیزہ و خنجر برسیں
زہر، خون، آگ، مصیبت کے سمندر برسیں
بجلیاں چرخ سے، کوہ سے پتھر برسیں
ساری دنیا کی بلائیں ہمارے سر پہ برسیں
ختم ہو جائے ہر ایک رنج و مصیبت ہم پر
مگر ایماں کو جنبش ہو تو لعنت ہم پر

کفار کی طرف سے اعلان ہوتا ہے ، اگر بدر کی خلش کسی کے دل میں ہو تو آکر بدلہ لے لے" اعلان کا ہونا تھا کہ ایک جم غفیر قتل گاہ کو تماشا گاہ بنا کر اپنے انتقام کا مظاہرہ کرنے لگا۔ سب کچھ ہو رہا ہے مگر یہ قیدی ہیں کہ خاموش تصویر بنے کھڑے ہیں۔

جب یہ سمجھ لیا گیا کہ محمدی دیوانے (صلی اللہ علیہ وسلم) تیغ و سناں سے نہیں ماننے والے تو ابو سفیان نرمی سے بولتے ہیں ، اگر تم اپنے آبائی دین پر آجاؤ تو تمہیں نجات مل سکتی ہے" ابو سفیان کی اس بے معنی بات پہ حضرت خبیب کو ہنسی آجاتی ہے اور تبسم بکھیرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

لست ابالی حین اقتل مسلما
علی ای شق کان اللہ مصرعی
وذلک فی ذات الالٰہ وان یشاء
یبارک علی اوصال شلو ممزع

وہ وقت آچکا تھا جس کے لیے مرد مومن کی روح تڑپ رہی تھی۔ کفار، خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمیشہ کے لیے مٹا رہے تھے مگر انھیں، حیات جاوداں مل رہی تھی۔ " بل احیاءٌ ولکن لا تشعرون" کا مفہوم ان پر صادق آنے والا تھا۔ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ کلمہ شہادت زبان پہ جاری تھا کہ جلاد کی تلوار اٹھی روح اطہر جھومتی ہوئی قفس عنصری سے آزاد ہو کر جنت الفردوس جا پہنچی۔

اب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باری آتی ہے۔ ابو سفیان کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ ، سچ سچ بتاؤ کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ تم اپنے گھر میں عیش سے رہو اور تختہ دار پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو لایا جائے" حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جواب دیتے ہیں کہ "مجھے یہ بھی گوارہ نہیں کہ میں ہٹ جاؤں اور اس کے عوض پائے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں کانٹا بھی چبھے" حضرت زید پھانسی کے تختے پر ہیں، دار پہ وار ہو رہے ہیں۔ تمام بدن لہولہان ہو رہا ہے۔ جسم سے خون کے فوارے چھوٹ رہے ہیں لیکن ایمان و استقامت کے پہاڑ میں ذرا بھی جنبش نہیں ہوتی۔

وہ انسان جس نے دنیا کے باغ و بہار کو نظر فریب سمجھا ہو، ریاض گل و لالہ کی بے وفائی جس کے سامنے ہو، متاع دنیا کو جو قلیل سمجھتا ہو، ایسا انسان دنیا کی عظیم طاقتوں سے کبھی مرعوب نہیں ہوتا۔ ایسے انسان کو اس کی قوت ایمانی کبھی کفار کے سامنے سربسجود نہیں ہونے دیتی۔ پھر زید کی قوت ایمانی ان کو باطل کے سامنے کہاں سر جھکانے دیتی۔

الغرض شہادت نے ان کے بھی قدم چومے۔ یہ ہے مرد مومن کا جذبۂ ایمانی،



آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے

کیا خوب ارضِ پاک کا ہے دلربا سماں ہے
لوگ اس پہ رقص کرتے ہیں

بستے ہیں یوں تو میرے مسلمان ہیں سبھی
ہے گھروں میں اپنے یہ قرآن [illegible]

پیتے گیارھویں ہیں بڑے ذوق و شوق سے
تعویذ بھی گلے میں لٹکتے ہیں طوق سے

لیکن صلوٰۃ و صوم سے ان کو غرض نہیں
ٹی وی چلے تو لازم ہے ان کو غرض نہیں

قبروں پہ جا کے عرس مناتے ہیں پیر کا
لاکھ گلی میں گھوڑا نچاتے ہیں پیر کا

ہمسائے میرے یوں تو شرافت شریف ہیں
قبروں کو پوجتے ہیں' خدا کے حریف ہیں

کر [illegible] اپنی لے ہے
لاکھ گلی میں گھر [illegible] تھا یا انہی لے ہے

[illegible] کا [illegible] فقیر کی
[illegible] ہے حجرات [illegible] فقیر کی

[illegible] ہے کبھی
[illegible] ہے [illegible] میں گلگیر ہے کبھی

[illegible] ہر خاص و عام کو
[illegible] کو دھوبیوں کو لوہار اور حجام کو

[illegible] بھی جوان بھی
[illegible] طویل پست قد اور پہلوان بھی

[illegible] لیتے ہیں پسلیاں
[illegible] کا پیار سستی کی سلفے ہیں پسلیاں

[illegible] کے نام پر
کرتے ہیں رقص گیت پہ اور دورِ جام پر

[illegible] سبھی
مسجد نہیں سکول بھی آباد نہ کبھی

تعلیم دین کی ہو یا دنیا کے ہوں علوم
بیکار ہیں اگر نہیں ٹی وی کے گھر ہجوم

ٹی وی ہماری ذات ہے ٹی وی ہی بات ہے
ٹی وی نہیں جہاں وہ کوئی کائنات ہے

ٹی وی پہ سیکھتے ہیں سبق رقص و رنگ کا
یہ بھی کوئی زمانہ ہے بھارت سے جنگ کا؟

اسلام و کفر میں ہوا میثاق امن کا
ملت کا نوجواں ہوا مشتاق امن کا

ملت ۔ کبھی جو خالدؓ و طارقؒ کا نام تھی
ہاتھوں میں جن کے تیغ سدا بے نیام تھی

جا بجا کہاں ہے؟ اب کہاں محمود غزنویؒ؟
ٹیپو نہیں نہ سید احمد بریلویؒ

مجھ کو یقین ہے بھارتی فوجیں جب آئیں گی
ٹی وی کی بیٹیاں سبھی خوشیاں منائیں گی

بے پردہ پھر رہی ہیں ۔ مسلمان زادیاں
کہتا ہوں میں کہ یہ ہیں شیطان کی وادیاں

ہپی کے روپ میں ہیں سبھی اپنے نوجوان
کیا یہ کریں گے پاک وطن کی بلند شان؟

پیرِ مغاں ہیں محفلِ دورِ شراب میں
بوڑھے بھی بہہ گئے وہاں اسی سیلِ آب میں

حاجی بھی ہیں نمازی بھی دیتے بھی ہیں زکوٰۃ
ٹی وی کے گرد جمع ہیں جیسے کوئی برات

حقے کے ساتھ ساتھ ہے ٹی وی کا سین بھی
اقبالؒ ہی کے ساتھ ہے نام دین بھی

ٹی وی میں مبتلا ہوئی جو قوم دوستو!
ٹی بی میں مبتلا ہوئی وہ قوم دوستو!

بگڑا ہوا ہر عضوِ بدن کا مزاج ہے
کہتے ہیں ڈاکٹر ۔ یہ مرض لاعلاج ہے

عظیم آزاد شیرازی

[illegible]

The Weekly "KHUDDAM[illegible]"
LAHORE (PAKISTAN)

[illegible] T.B.C ۲۳۸۱-۲۲۴ [illegible]
[illegible]

بقیہ ۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ

صرف یہ تھی کہ پیٹ بھر کر کھانا اور معمولی کپڑا اوڑھنا پہننے کو ملتا تھا، اور جب وہ سوار ہو کر سیر کے لئے جاتا تو میں اس کی سواری کے آگے آگے دوڑتا ہوا چلتا تھا اور جب وہ سیر و تفریح کے بعد اترتی تو میں اس کی خدمت کرتا تھا۔ میں اس کی سواری کے ساتھ ننگے پاؤں دوڑتا ہوا چلتا تھا اور میرے [illegible] سے بھلی ہو جاتے اور صحرا کی گرم ریت ان زخموں میں آگ لگا دیتی، لیکن وہ [illegible] سے پیٹ کی حفاظت ہو سکے اب خدا کا فضل ہے وہ میرے نکاح میں ہے جسے میں خادم اور وہ مخدوم تھی اب میں مخدوم ہوں اور وہ میری خادمہ ہو چکی ہے۔

[illegible] کو مسلمان ہونا [illegible] ابوہریرہؓ کی بیوی سے سبق سیکھنا چاہئے کہ آپ [illegible] میں ۷۸ برس کی عمر میں [illegible] ہو کر واصل بحق ہو گئے اور مدینہ طاہرہ میں دفن کئے گئے۔

بقیہ ۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ

کرتا تھا کہ اس دولت کے سامنے سب ہیچ۔

وفات

قدرت نے جو کام آپ سے لینا تھا وہ مکمل ہو چکا تو سفر آخرت کی تیاری ہونے لگی۔ انتہائی شفقت و طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، معاملہ یہاں تک پہنچا کہ غیر اختیاری حالت میں بھی اسوۂ حسنہ پر بے ساختہ عمل کرنی چاہتا تھا اور قدرت بھی آپ کی خواہشات کو پورا کر رہی تھی۔ چنانچہ چند سال پیشتر [illegible] میں عمر ۶۳ برس ہو آئی ہے (عمر نبوی بھی یہی ہے) عمر [illegible] کے آخری شعبان میں [illegible] آپ خلوت خانہ سے باہر [illegible] فرمایا: نہ معلوم آج کس کس کا نام [illegible] فرمایا نہیں تو شک ہوتا اس شخص کا کیا [illegible] کام خود محو ہوتے دیکھا۔ یہ فرما کر رشد و [illegible] معاملات تک صاحبزادوں کے سپرد فرمائے۔

[illegible] وقت تلاوت قرآن اور افکار و اشغال باطنی میں گزرتا تھا۔ اس زمانہ میں نوافل کے علاوہ صدقہ خیرات کی بھی کثرت رہی۔ وسط ذی الحجہ میں ضیق النفس کی بیماری کا شروع ہوا بڑھتی رہی، حتیٰ کہ ۱۲ محرم کو فرمایا: [illegible] دن کے [illegible] چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ ۲۸ صفر [illegible] کو ۶۳ کی عمر میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

زندگی کی آخری رات [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] نفس عنصری [illegible]

[illegible]

اور [illegible] خدا [illegible]

[illegible] متعلق تحریرات ہیں

[illegible]

[illegible]

بقیہ ۔ شذرات

تو بہرحال اس دور میں بہت گراں ہیں۔ از بس ضروری ہے یہ وجوہات ہیں حادثات کی ان پر سنجیدگی سے غور کرنا اور صحیح و مؤثر انسدادی تدابیر اختیار کرنا ہیں ورنہ خدا حافظ!

بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں
کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

(ساغر صدیقی)

[illegible] بیرنٹر خواجہ طارق لطیف کیمبرج پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا